دیوبند سے بریلی تک

از

مولانا ابو الاوصاف رومی

پسند فرمودہ : حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علمائے دیوبند پر بے بنیاد الزامات کا حقیقت افروز جائزہ

دیوبند سے بریلی تک

از

مولانا ابوالاوصاف رومی

پسند فرمودہ

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم مہتمم دار العلوم دیوبند

ناشر

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

قیمت: ۵/۰۰ روپے

چند عنوانات

نام عنوان	صفحہ نمبر
آں سوئے خوں ؟	۵
دیباچہ	۹
دیوبند سے بریلی تک	۱۲
علمائے دیوبند حقیقت کے آئینہ میں !	۲۴
تقویۃ الایمان پر اعتراضات	۲۴
صراط مستقیم کا مشہور اعتراض	۴۰
تحذیر الناس اور ختم نبوت کی بحث	۵۱
براہین قاطعہ پر اعتراض	۶۵
علم غیب کی بحث اور حفظ الایمان پر اعتراض	۷۴
چیلنج اور انعام	۸۴
اپنا کلمہ پڑھوانیکا بہتان اور اس کا جواب	۹۴

حصہ دوم

نام عنوان	صفحہ نمبر
دین محمدی اور دین مجددی کا موازنہ !	۱۰۷
علمائے بریلی اپنے عقائد اور مسائل کے آئینہ میں	۱۰۷
انعام، اعلان اور چیلنج	۱۲۹
فاتحہ کا طریقہ	۱۳۵
اعلیٰ حضرت اور ان کا مشن	۱۳۸
فیصلہ کن سوالات	۱۶۱
خاتمہ کتاب	۱۷۱

مطبع :- نفیس پرنٹرز - لاہور

اِس کتاب کے متعلق

فخر الاماثل حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی

مہتمم دارالعلوم دیوبند کا

مکتوبِ گرامی

برادرِ محترم، زید مجدکم

سلام مسنون دعا معروف!

گرامی نامہ مع رسالہ گرامی شرفِ صدر لایا۔ جس کے لیے ممنون ہوں۔ سب سے پہلی ممنونیت تو یہ ہے کہ آپ نے اس ناچیز پر اعتماد فرماتے ہوئے اپنے بلند پایہ افکار کے ذخیرے کو جُوں کا توں میرے پاس ارسال فرمادیا۔ دوسری ممنونیت درحقیقت میرے واسطے سے پُوری جماعت پر کہ آپ نے پُوری جماعت کی نمائندگی فرماتے ہوئے اکابر اسلاف سے مدافعت کا فریضہ انجام دیا۔ فجزاک اللہ عنا و عن جمیع المسلمین۔ کام بہت بڑا ہے جو حق تعالٰے نے آپ سے لیا ہے۔ اس کی مُبارک باد عرض ہے۔

والسلام

محمد طیب

مہتمم دارالعلوم دیوبند

۲۸ $\frac{۹}{۸۴}$ ھ

مکتوبِ گرامی

حضرت مولانا محمد ایوب صاحب اعظمی شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ

ڈابھیل ضلع سورت

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل .... ۱۰ر ذی الحجہ ۸۶ھ

مولانائے محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا ہدیہ "سفینہ" دیوبند سے بریلی تک" پہنچا۔ آپ کی اس عزت افزائی اور یادآوری کا شکریہ! حسن اتفاق سے عیدالاضحٰی کی چھٹیاں چل رہی ہیں۔ میں نے پڑھنا شروع کیا جوں جوں پڑھتا گیا دلچسپی بڑھتی گئی۔ تاآنکہ اسی مجلس میں ختم کر کے دم لیا۔

ایسے بیباک و بے لگام دمنہ زور لوگوں کے ہفوات کا جواب ماشاء اللہ آپ نے جس شرافت متانت و سنجیدگی سے دیا ہے وہ آپ کی عظمت و شرافت انسانی کی دلیل ہے اور جواب بھی ایسا مسکت دندان شکن اور زوردار کہ خوددار و غیور انسان اس کے بعد دم نہیں مار سکتا۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ، دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ رسالہ کو قبولیت عام عطا فرمائیں اور مسلمانوں کو نفع تام بخشیں۔ آمین!

اُمید ہے کہ جناب کے مزاج گرامی اچھے ہوں گے۔

فقط والسلام

مُحَمد ایوب اعظمی

۲۲ر مارچ ۱۹۶۷ء

آں - سوئے خوں؟

ہم اس حقیقت کے اظہار میں اک گونہ تکلیف محسوس کر رہے ہیں کہ آج کے دور میں جب کہ ملت اسلامیہ مختلف اعتبارات سے ایک امتحانی اور ابتلائی دور سے گزر رہی ہے اور اس کا مذہب و ثقافت، تہذیب و تمدن، افکار و روایت اور معاشرت و کلچر اسکا ہر گل سرسبز سرمست اقتدار نگاہوں کو خار بن کر کھٹک رہا ہے۔ ایسے وقت میں جناب مشتاق احمد صاحب نظامی الہ آبادی نے اپنے مکتب فکر کے روایتی اور رواجی پشتارۂ کذب و افترا کے منتشر اور ہزار ہا بار کے پامال عناصر کو "خون کے آنسو" نامی کتاب میں جمع کرنے کی زحمت فرمائی ہے۔ اور بزعم خود "دیوبندیت" کے گلے پر سستی شہرت کے لیے وہی چھری چلا کر ذبح کرنے کی کوشش کی ہے جس کے بارے میں یہ حقیقت کھل چکی ہے کہ کند و ناکارہ ہے۔ حقیقت میں اسلامیان ہند کی آبرومندی کے لیے آج کا دور انتہائی احتیاط پسندی کا متقاضی ہے اور یہ احتیاط پسندی اسی وقت نتیجہ خیز ہو سکتی ہے کہ جب اجتماعی فکر و ذہن اپنے نفع و نقصان کو یکسانیٔ فکر کے ساتھ سوچنے سمجھنے کا اہل بنائے۔ ایسے نازک تاریخی مرحلہ پر ضروری ہے کہ باہمی اختلافات سے بادل نخواستہ ہی سہی قطع نظر کر لی جائے اور فکر و شعور کی تمام تر صلاحیتوں کو ان بنیادوں کی مضبوطی کے لیے وقف کر دیا جائے کہ جن کی بے قراری سے "من و تو" کا بزعم خود اشارہ باقی ہے۔

دیوبندیت در حقیقت اس مکتب فکر کا عنوان بن گیا ہے کہ جس نے

مومن و کافر کے درمیان اخلاص للہ اور عدم اخلاص للہ کو حدِ فاصل قرار دیا ہے اور سنت و بدعت کے درمیان اتباع و عدم اتباع کو نقطۂ اتصال بنایا۔ بالفاظ دیگر انفرادیت سے اجتماعیت تک "اہلی زندگی سے مدنی زندگی تک" ظاہر سے باطن تک اور زندگی کے نفسِ اولین سے موت تک شرعی لحاظ سے کئے جانے کے قابل ہر عمل کو صرف اللہ کے لیے کرنے اور نہ کئے جانے کے قابل اعمال سے صرف اللہ کے لیے نہ کرنے کا حکم دینا اور اسی نظامِ اخلاص میں رہنے والے کا شرعی نام "مومن" ہے۔ اسی لیے مومن کا بغیر اخلاص کوئی وجود ممکن نہیں اور جس منزل پر یہ عمل و اجتناب غیر اللہ کے لیے ہونے لگے وہیں سے سرحدِ کفر کا آغاز ہو جاتا ہے۔ یعنی جس قلب میں اللہ کے لیے اخلاص نہیں اُس میں ایمان کی تلاش ہی لاحاصل ہے۔

اسی نظامِ اخلاص کے لانے والے کا نام نامی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہے جو اِس راہِ نجات کے راہنما ہونے کی وجہ سے عالمِ انسانی کے سب سے بڑے محسن ہیں اور اسی لیے سب سے زیادہ ارادی محبت کے مستحق ہیں۔ لیکن جس طرح یہ "محبت رسالت" شریعت کا مستقل موضوع ہے اسی طرح شریعت نے اس کے شرعاً معتبر ہونے کا معیار "اتباع رسول" کو قرار دیا ہے صرف دعوے یا نعرہ کو نہیں۔

اتباعِ رسول کے بغیر محبت و رسالت ایک دعوئے بے دلیل ہے جو شریعت مصطفوی کی عدالت میں نہ صرف "ناقابلِ التفات" ہی قرار پاتا ہے

بلکہ ناقابلِ اعتبار ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ بدعت محبتِ نبوی کی دعوے داری اور اتباعِ شریعت نبویؐ میں خام کاری سے پیدا ہوتی ہے۔ جس میں نفسِ انسانی اپنے مزعومہ جذبۂ محبت کی تسکین کے لیے اظہارِ نیازمندی کی خود ساختہ نئی نئی راہیں تلاش کرتا رہتا ہے۔ حالانکہ جس طرح وہ "محبت نبویؐ" کا شرعاً مکلف قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح نیاز محبت کی ادائیگی میں بھی اس کو شریعت نے خود مختار نہیں چھوڑا۔

دیوبندیت درحقیقت شریعت کی قائم کردہ اسی "حد شناسی" اور اسی "حق شناسی" اور انہی دونوں کی معقول و منقول تعلیم کا عوامی عنوان ہے اور "بریلویت" اپنی ماضی کی روشنی میں انہی حدود و حقوق کی اس شکست کا نام ہے جس کے دائرہ میں "اخلاص" صرف خدا کا اور "اتباع" صرف رسول کا حق نہیں رہتا بلکہ سرحد اخلاص میں ایسی دراندازیاں انگیز ہونے لگتی ہیں کہ جو توحید سے ساز نہیں کر سکتیں اور سرحدِ اتباع میں وہ "دراندازیاں" جائز سمجھی جانے لگتی ہیں کہ جو "محبت نبویؐ" سے میل کھاتی نہیں۔ اللہ و رسول کے حقوق و حدود کو خلط ملط کرنے کی دیوبند اجازت نہیں دیتا اور یہ ہی بریلوی مکتبۂ فکر کے نزدیک "دیوبند" کا سب سے بڑا جرم ہے جس کی سزا گذشتہ طویل دورِ بریلی کی علمی پرواز اور بھرپور کوشش کے باوجود حجت و دلیل اور روایت و درایت سے نہ دے سکا اور نہ حقائق سے گریز کی بدعادت اس آرزو کو شرمندۂ تکمیل کبھی ہونے دے گی۔ کذب و افترا، بہتان طرازی و الزام تراشی، عباراتِ اکابر و اسلافِ دیوبند میں تحریف و تلبیس، قرآن و حدیث کی مرادات کو

اپنے مزعومات کے تابع کرنے کے لیے افسوسناک تاویلات، اربابِ حال، اہل اللہ اور صاحبِ باطن بزرگانِ دین کی کیفیاتِ باطن کی ریاکارانہ نقالی پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ مقدسہ کے ساتھ محبت کے بلند بانگ دعوے اور اتباعِ شریعت سے دیدہ و دانستہ گریز اور خدائے حیّ و قیوم کی ذات بے ہمتا کے سوا عبدیت کے مظاہر کو اصحاب قبور تک کے لیے روا رکھنا وغیرہ "بریلویت" کی اپنی دانست میں دیوبندیت کے لیے المناک سزائیں نقیض جو گذشتہ پچاس ساٹھ سال سے "دیوبند" کو مسلسل دی جا رہی ہیں۔

اربابِ حق کے مسلک مستقیم کو آڑ بنا کر مشتاق صاحب نظامی کی چشم بیمار نے جو خون آشام مگرمچھ کے آنسو بہائے ہیں، مولانا ابوالادصاف صاحب نے اُس کے لیے یہ "دیوبند سے بریلی تک" سُرمہ تیار فرمایا ہے۔ خدا کرے کہ حقائق بینی کی گم کردہ بینائی نگہِ مشتاق کو نصیب ہو جائے۔

محمد سالم قاسمی

ناظم ادارہ تاج المعارف

دیوبند

باسمہٖ سبحانہٗ

دیباچہ

طبع سوم

الحمد للہ کہ پیش نظر کتاب "دیوبند سے بریلی تک" جو بعض احباب آمادہ کی فرمائش پر ۱۹۶۵ء میں لکھی گئی تھی عام طور پر پسند کی گئی اور اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے اسے مقبولیت عطا فرمائی۔ جس کی وجہ اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے کہ اس کتاب میں اللہ تعالیٰ ہی کے کچھ مقبول بندوں کی طرف سے فریضۂ مدافعت انجام دیا گیا ہے۔ ان بندگانِ خدا کی جانب جو بے بنیاد الزامات لگائے گئے ہیں اور جو بے حقیقت بہتان بندی اور طوفان خیزی کی گئی ہے ان سب کو اس مختصر رسالہ میں بے نقاب کیا گیا ہے۔ بندگانِ خدا کی طرف سے مدافعت کا فریضہ وہ اہمیت رکھتا ہے جس کی انتہائی معراج یہ ہے کہ حضورِ اقدس صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ حسان کی تائید روح القدس سے فرماتے ہیں کہ جب تک وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مفاخرت یا مدافعت کرتے رہیں گے۔ (مشکوٰۃ از بخاری)

علی فرقِ مراتب یہ فریضہ آج بھی یقیناً بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ جو حضرات احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کو تبلیغِ دین کے منافی سمجھتے ہیں وہ شاید دعوت

تبلیغ کے مفہوم میں تحدید بیجا کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

ہمیں تعلیمات خداوندی اور اسوۂ نبوی میں جہاں "ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ" (لوگوں کو سبیل رب (راہ خدا) کی طرف حکمت کے ساتھ بلائیے اور اچھی نصیحت کے ساتھ (پیغام پہنچایئے) کی تعلیم ملتی ہے۔ وہیں "وَجَادِلْھُم بالتی ھی احسن" (ان لوگوں سے عمدہ طریقہ پر (قاعدہ کے مطابق) بحث کیجئے کا ارشاد بھی ملتا ہے۔ علاوہ ازیں متعدد انبیاء کرام کی اپنی قوم کے ساتھ مناظروں کی مختصر روداد بھی قرآن حکیم کے صفحات پر آج بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ اس لیے دعوت و تبلیغ کے اس پہلو سے یکسر صرف نظر نہ تو کوئی صحیح بات ہو سکتی ہے نہ ہی یہ ہر حال میں مقتضائے حکمت ہو گی۔

ویسے اس بحث و مباحثہ کو تو ہر حال میں یقیناً ہم بھی پسند نہیں کرتے چنانچہ یہ کتاب بھی یوں ہی سرسری طور پر بالکل بادل نخواستہ حالات سے مجبور ہو کر ہی لکھی گئی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اسے مقبولیت عطا فرمادی تو خیال ہوا کہ شاید اللہ تعالیٰ کو دفاع کا یہ پہلو پسند آیا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ احقر بھی ایک معمولی طالب علم سے زیادہ حیثیت کا آدمی نہیں۔ کتاب بھی کسی علمی تحقیق پر مشتمل نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر کتاب عام طور پر پسند کی گئی تو یہ محض اس کا فضل اور اُن بزرگانِ دین کی روحانیت کا فیض ہی ہو سکتا ہے جن کی مدافعت کا فریضہ اس میں انجام دیا گیا ہے۔ فھذا من فضل ربی لیبلونی

اشکرام اکفر فللہ الشکر و للہ الحمد۔

یہ کتاب پہلی بار" ادارہ تاج المعارف دیوبند" نے غالباً ۱۹۶۵ء یا ۱۹۶۶ء میں شائع کی تھی جسکی پانچ سو کاپیاں مزید احقر نے اپنی لاگت پر علیحدہ چھپوائی تھیں۔ امتیاز کے لیے اُسکا ٹائیٹل بھی علیحدہ طبع کرالیا تھا اور شروع کتاب میں حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا ایک مکتوب گرامی اور کتاب کا ایک غلط نامہ بھی شامل کر دیا تھا۔ پہلا ایڈیشن تو نئی کتاب ہونے کی بنا پر کچھ دیر میں نکلا لیکن دُوسرا ایڈیشن تقریباً ایک سال ہی میں ختم ہو گیا۔

اب اس وقت ساٹھ چل رہا ہے۔ تیسرا ایڈیشن پریس میں جانے کو ہے اس وقت خیال آیا کہ اس بار کتاب پر ایک تکمیلی نظر اور ڈال لی جائے۔ چنانچہ بفضلہٖ تعالیٰ یہ کام بھی انجام پاگیا اور کتاب میں جگہ جگہ ترمیم و تصحیح کے ساتھ ساتھ بعض مقامات پر ضروری اضافے بھی کر دیئے گئے ہیں اور سب سے ضروری اضافہ جو اس کتاب میں ہونا تھا وہ فاضل مشتاق کی "لال کتاب" "خون کے آنسو" کے ان اقتباسات سے متعلق ہے جو اُنہوں نے ماہنامہ برہان کے حوالہ سے نقل کئے ہیں۔

جیسا کہ میں نے اُوپر لکھا ہے کہ یہ کتاب (دیوبند سے بریلی تک) چونکہ سرسری طور پر لکھی گئی تھی اس لیے اسوقت ہم برہان کے وہ شمارے نہ دیکھ سکے تھے جن کے حوالوں سے خون کے آنسوؤں نے سیلان بلکہ سیلاب کی شکل حاصل کر لی تھی اور چونکہ ہم لوگ اس صحافتی چابکدستی کا زیادہ اندازہ نہیں رکھتے اس لیے فاضل مشتاق کے ساتھ حسن ظن یہی تھا کہ کم از کم ان حوالوں میں کوئی وزن تو ضرور رہی ہوگا ورنہ اتنی جسارت کے ساتھ بہ بانگ دہل انہیں اپنی کتاب میں کس طرح برابر نقل کرتے

چلے جا رہے ہیں۔ علاوہ ازیں اس صورت میں ہم نے اُن سے تعرض کرنا اسلئے بھی ضروری نہ سمجھا کہ اکبر آبادی صاحب فاضل دیوبند ہونے کے ساتھ ساتھ ایک روشن خیال صحافی ہیں اس لیے اُن کے متعلق یہ سمجھ لینا کہ اُن کی ہر رائے اور ہر بات علماء دیوبند پر حجت بن سکتی ہے تو یہ ایسی حقیقت ہے جس کو نہ تو اُنہیں دعویٰ ہوگا اور نہ جماعت علمائے دیوبند ہی اس کو تسلیم کرنے پر تیار ہوگی۔ اس لیے ہم نے فاضل مشاق کے برہانی حوالوں کو صحیح تو سمجھا مگر درخوراعتنا اور لائق جواب نہ جانا۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ اپنی جگہ ہمیں کسی قدر الجھن ضرور رہی کہ آخر یہ اکبر آبادی صاحب مانا کہ حضرت تھانویؒ کے معتقد و مرید نہ ہوں لیکن ان کے معاصر بھی تو نہیں ہیں یہ ہیں تو ان کے اصاغر (چھوٹوں) ہی میں اور جن علماء کو اکبر آبادی صاحب اپنا بزرگ، استاد وغیرہ تسلیم کرتے ہیں۔ وہ حضرات جب حضرت تھانویؒ کو اپنا بزرگ تسلیم کرتے ہیں تو پھر آخر ان کے لیے ایسا انداز تبصرہ اختیار کرنے کی وجہ جواز کیا ہے چنانچہ اس الجھن کی بنا پر احقر نے طبع اوّل کے موقع پر حضرت مولانا محمد طیب صاحب کو برہان کے ان اقتباسات کی جانب متوجہ کیا کہ ذرا آپ اس سلسلہ میں اکبر آبادی صا. سے حقیقت حال دریافت فرمائیے۔ دیکھئے تو وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ میری درخواست پر حضرت مہتمم صاحب نے ایک گرامی نامہ اکبر آبادی صاحب کو تحریر فرما کر صورتِ حال دریافت فرمائی۔ اس کے جواب میں جناب اکبر آبادی صاحب نے جو مکتوب تحریر فرمایا حضرت مہتمم صاحب کی جانب سے اس کی نقل مجھے دفتر والوں نے روانہ فرمادی۔ ذیل میں ہم اکبر آبادی صاحب کے مکتوب کا ضروری حصّہ نقل کیے دیتے ہیں۔ پورے مکتوب کے نقل کرنے میں غیر ضروری طوالت ہوگی۔ ملاحظہ ہو:-

نقل مکتوب

علی گڑھ

۳؍فروری ۱۹۶۵ء

مخدوم و محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

والا نامہ مورخہ ۲۶؍رمضان ابھی ملا اور ابھی جواب لکھتا ہوں "خون کے آنسو" نامی کتاب میں نے نہیں دیکھی۔ میری تحریروں کے متعلق آپ نے جو کچھ لکھا ہے تو عرض یہ ہے کہ "جامع المجددین" پر میرا تبصرہ برہان[1] میں سات ماہ تک نکلتا رہا اور اپنی جماعت کے کسی بزرگ نے مجھے اس پر نہیں ٹوکا۔ اصل بات یہ ہے کہ جامع المجددین نامی کتاب میں اس کے مصنف نے حضرت تھانویؒ کو پیغمبر کے پہلو میں لے جاکر بٹھا دیا تھا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل و مناقب ایسے انداز میں لکھے تھے جس سے دوسرے اکابر علماء و مشائخ کی تنقیص کا پہلو نکلتا تھا اس لیے میں نے اپنے مضمون کے شروع میں مصنف کی اس ذہنیت کا پردہ چاک کیا اور لکھا کہ اسوۂ حسنہ اور واجب الاتباع صرف پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات ہے جس کسی شخص کا خواہ وہ اپنے عہد کا کتنا ہی بڑا عالم اور شیخ ہو عمل یا اس کا کوئی خاص طریقہ سنت نبویؐ کی میزان میں پورا نہیں اترے گا وہ رد کر دینے کے قابل ہے اور اس سلسلہ میں میں نے مولانا تھانوی اور مولانا حسین احمد صاحب کے بعض اعمال و افعال میں موازنہ کرتے ہوئے

---

[1] جناب اکبرآبادی صاحب کو صحیح طور پر یاد نہیں رہا کہ ان کا یہ مقالہ برہان کے دس شماروں میں نکلا ہے۔ ۱۲ ردی

لکھا کہ تعارض کی شکل میں رجوع قرآن و حدیث اور سنت نبوی ہی کی طرف کیا جائے گا مگر یہ سب میں نے مدعی کے لیے لکھا تھا اس کے بعد مسلسل تین نمبروں میں میں نے بتایا کہ خود حضرت تھانویؒ درحقیقت کس بلند مرتبہ و مقام کے بزرگ اور شیخ تھے۔ اور ان کے اصل فضائل و کمالات اور اوصاف و محامد کیا ہیں؟

اس بنا پر "خون کے آنسو" کے مصنف نے میری عبارات سے اعتراضات کے جو پہلو نکالے ہیں۔ میں نے اسی مقالہ کی آخری قسطوں میں خود ہی اس کے جوابات دے دیئے ہیں۔

افسوس ہے کہ میرے پاس برہان کے یہ پرچے موجود نہیں ہیں اور بات بھی دس بارہ برس کی ہو گئی اس لیے اب ٹھیک یاد بھی نہیں ہے۔ آپ کے پاس برہان کا فائل ہو گا کسی صاحب کو متعین کر دیجئے وہ متعلقہ پرچے نکال کر میرا پورا مضمون از اوّل تا آخر پڑھیں مجھے امید ہے کہ پورا مقالہ پڑھنے کے بعد یہ اعتراضات خود بخود رفع ہو جائیں گے۔

(دستخط) سعید احمد اکبر آبادی

یہ تو ہوا وہ مکتوب جو انہوں نے حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم کے گرامی نامہ کے جواب میں لکھا تھا۔ اس کے بعد مجھے برہان کے ان شماروں کی برابر فکر رہی کہ اگر کہیں سے دیکھنے کو مل جائیں تو شاید کچھ مزید انکشاف ہو جائے۔ مشہور ہے "جوینده یابنده" آخراب طبع سوم کے موقع پر جب کہ میرا تعلق جامع مسجد آگرہ کے مدرسہ عالیہ اور دارالافتاء سے ہے برہان کے وہ شمارے حافظ فیض محمد صاحب نے فراہم فرمائے (اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عنایت فرمائے)۔

پُورا مضمون پڑھنے کے بعد تو میری زبان سے بے ساختہ یہی کلمات ادا ہوئے کہ "واقعی ہمارے فاضل مشتاق اپنے بڑے حضرت فاضل مشتاق کے بجا طور پر فرزند معنوی ہیں اور جس طرح ان بڑے حضرت نے "حسام الحرمین" میں ہاتھ کی صفائی بیٹ کے لیے دکھائی ہے، اسی طرح ان چھوٹے حضرت نے بھی اپنی "لال کتاب" میں اچھے اچھے کرتب دکھلائے ہیں۔ چنانچہ آپ نے برہان کے طول طویل اقتباسات کو اپنی "لال کتاب" میں داخل کر کے کتاب کا حجم خوب نمایاں کر دیا اور ترنگ میں اکبر برابر یوں چہکتے رہے ۔

"انہیں کی مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات ان کی"

خوفِ طوالت نہ ہوتا تو ہم آپ کو برہان کے مضمون کی تھوڑی سی سیر کرا دیتے کہ آپ کو خود اندازہ ہو جائے کہ فاضل مشتاق نے پورے مقالہ کو صرف ایک آنکھ سے دیکھا ہے اور آنکھ بھی وہ جو صرف "لا تقربوا الصلوٰۃ" (نماز کے قریب بھی نہ جاؤ) دیکھنے کی عادی ہے " وانتم سکاریٰ" (جب کہ تم نشہ کی حالت میں ہو) دیکھنے کا اسے ہوش ہی نہیں رہتا۔ لیکن بہ نظرِ اختصار اس سلسلہ میں ہم تفصیل سے قطع نظر کرتے ہوئے اس مضمون کی آخری قسط سے چند سطور نقل کرتے ہیں جن میں اکبر آبادی صاحب نے استدراک فرماتے ہوئے اپنے مقصدِ تنقید کی توضیح خود فرمادی ہے ملاحظہ ہو فرماتے ہیں :۔

شروع کے دو نمبروں میں مولانا تھانویؒ کی نسبت قلم سے بعض نامناسب اور نازیبا الفاظ نکل گئے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ مولانا کے علم و فضل، تقویٰ و طہارت اور دوسرے کمالات کے سامنے عقیدت شروع سے رہی ہے۔ چنانچہ مولانا کی وفات پر اس برہان میں جو تاثرات لکھے گئے وہ اس کا ثبوت ہیں۔

قصور مولانا کا نہیں بلکہ مولانا عبدالباری جیسے مریدوں کا ہے جنہوں نے مجدد ثابت کرنے کے شوق میں مولانا کے ان واقعات کو کچھ سے کچھ رنگ دے کر پیش کیا ہے۔

بہرحال اگرچہ غلط فہمی کی بنا پر سہی، میں مولانا کی روح پر فتوح سے ان الفاظ کی معذرت چاہتا ہوں اور ان پر نادم ہوں۔

(برہان دسمبر ۵۲ء)

یہ سطور صاف ظاہر کر رہی ہیں کہ اکبر آبادی صاحب حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ الرحمہ کو اپنا بزرگ تصور فرماتے ہیں اور اگر ایک طرف ایک جذبہ کے تحت وہ کوئی سخت فقرہ تبصرہ میں لکھ جاتے ہیں تو دوسری طرف وہ اسکا تدارک کرنا بھی ضروری خیال فرماتے ہیں۔

لہٰذا ان سطور کے بعد فاضل مشاق کے نقل کئے ہوئے سارے ہی اقتباسات بالکل لغو اور بیکار ہو جاتے ہیں ان کی جوابدہی کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیوبند سے بریلی تک

مقدمہ

یہ بات ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ جب سے دُنیا قائم ہوئی ہے اُس وقت سے لے کر آج اس وقت تک حق و باطل کے درمیان جنگ و جدل اور بحث و مباحثہ وغیرہ کا سلسلہ برابر جاری رہا ہے

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

اور اسی حقیقت کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی مانا ہوا ہے کہ حق کو مٹانے یاد بانے کے لیے جب بھی کوئی طاقت اُٹھی تو خداوند قدوس نے اُس کو ختم کرنے کے لیے اپنے کسی نہ کسی بندے کو اپنی غیبی نصرتوں سے ضرور نوازا ۔ خدا تعالےٰ کی اسی کرشمہ سازی کو یاد دلانے کے لیے ہماری زبانوں پر آج بھی "ہر فرعونے را موسےٰ" کا پُر معنی جملہ بیساختہ جاری ہو جاتا ہے ۔

۱۸۵۷ء میں جب ہندوستان پر انگریزوں کا پُورا اقتدار و تسلط ہو گیا اور ریڈ میگلس کی مشہور تاریخی تقریر پر عملدرآمد ہونے لگا جس میں اُس نے یہ علان کیا تھا کہ :۔

خداتعالےٰ نے ہمیں یہ دن دکھایا کہ سلطنت ہندوستان انگلستان

کے زیر نگین ہے تاکہ عیسیٰ مسیح کی فتح کا جھنڈا ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک لہرانے ہر شخص کو اپنی تمام تر قوت ہندوستان کو عیسائی بنانے کے عظیم الشان کام کی تکمیل میں صرف کرنی چاہیے اور اس میں کسی طرح تساہل نہ کرنا چاہیئے۔" (حکومت خود اختیاری ؛

اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنی قدیم عادت کے مطابق ٹھیک اس موقعہ پہ اپنے فضل خاص سے ہندوستان کے مشہور علمی خاندان یعنی حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ اور ان کے اہل خاندان و متوسلین کو اس کار خاص اور اہم خدمت کے لیے منتخب فرمایا کہ ان کے ذریعہ سے دشمنان اسلام کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا جائے۔ چنانچہ اس خاندان کے علماء اور ان کے تلامذہ و متوسلین اٹھ کھڑے ہوئے اور اس عزم و ارادے کے ساتھ کہ ایک طرف تو انگریزی حکومت کا مقابلہ کیا جائے اور ان کی طاقت کو پاش پاش کر کے اپنا ملک آزاد کرایا جائے اور دوسری طرف دینی و مذہبی تعلیم وعظ و تبلیغ اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ بھی عیسائیت اور ہر طرح کی بے دینی کا مقابلہ کر کے حق کو غالب دکھایا جائے۔ گویا اس ہمہ گیر انقلاب کو برپا کرنے کے لیے علماء حق اور مجاہدین اسلام کے دو طبقے ہو گئے۔ ایک طبقہ مجاہدین کا تھا جس میں حضرت سید احمد صاحب شہید، مولانا اسماعیل صاحب شہید، مولانا ولایت علی صاحب پٹنوی، مولانا محمد جعفر صاحب تھانیسری، مولانا کرامت علی صاحب جونپوری وغیرہم کی خدمات اور ان کے کارنامے فراموش نہیں کئے جا سکتے۔ دوسرا طبقہ معلمین و مبلغین کا تھا۔ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کے مشہور تلامذہ و معلمین مولانا نواب قطب الدین صاحب۔ مولانا

رشید الدین، مولانا شاہ عبد الغنی صاحب، مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب کے ساتھ ساتھ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند، مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی بانی مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ وغیرہم اور مولانا فضل امام صاحب و مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی اور علماء فرنگی محل کے اسماء گرامی یادگار رہیں گے۔

ان علماء دین نے دہلی، دیوبند، سہارنپور، مُراد آباد، لکھنؤ، خیر آباد وغیرہ میں دینی و مذہبی، فارسی و عربی مدارس قائم کئے اور ان کے ساتھ ہی کچھ مخلص روشن خیال لوگوں نے مسلمانوں کی دنیوی تعلیم و ترقی کے پیش نظر علی گڑھ، اٹاوہ، لاہور، کلکتہ وغیرہ میں اسلامیہ سکول اور کالج قائم کئے۔ ان مختلف اور گوناں گوں کوششوں کا نتیجہ یہ ہُوا کہ ایک طرف تو سینکڑوں بلکہ ہزاروں علماء دین ہندوستان میں ہو گئے اور دوسری طرف سیاسی لحاظ سے ہندوستان کی جنگ آزادی میں حصہ لینے والے سپاہی اور مردِ میدان بھی کافی تعداد میں مل گئے جن کی کافی جد وجہد اور بے انتہا قربانیوں کے بعد ۱۹۴۷ء میں ملک کے آسمان پر آزادی کا سورج طلوع ہو گیا مگر اس طرح کہ یہ اکھنڈ بھارت ہندوستان و پاکستان کے دو حصّوں میں تقسیم ہو گیا اور ہندوستان کے پانچ کروڑ مسلمانوں کو جن مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا اس کے بیان کی آج بالکل ضرورت نہیں کہ اب ہمارے ہر شعبۂ زندگی میں پریشانی ہی پریشانی ہے دینی و مذہبی اور فارسی و عربی تعلیم کا تو کیا ذکر اس وقت تو اردو زبان و تعلیم دونوں ہی حیات و موت کی کشمکش میں مُبتلا ہیں اور ہماری دینی و مذہبی حالت روز بروز گرتی جا رہی ہے اور اندیشہ ہے کہ اسپین وغیرہ کی طرح یہاں سے بھی خدانخواستہ اسلام و مسلمان

کا نام و نشان تک ختم نہ ہو جائے۔

اس نازک وقت کا تقاضہ تو یہ تھا کہ تمام مسلمان اتحاد باہمی اور ملی و قومی یکجہتی کے ساتھ ساتھ ہم آہنگ و ہمقدم ہو کر دین اسلام کی حفاظت و اشاعت میں لگ جائے مگر افسوس کہ انتہائی دلسوزی کے ساتھ آج ہم یہ تلخ حقیقت ظاہر کرنے پر اپنے کو مجبور پا رہے ہیں کہ اس وقت جبکہ اس کی سخت ضرورت تھی کہ ہم سب مل کر دین کی خدمت کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں، ہم میں ہی سے بعض لوگوں نے ایسے ایسے مسائل اُٹھا رکھے ہیں جن میں گفتگو کرنا بظاہر "بے وقت کی راگنی" کا مصداق معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ "حق" اور "اہلِ حق" کے ان دشمنوں نے "بہتان بندی" اور "الزام تراشی" کا جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے بعض اوقات اسکی وجہ سے کتنے ہی اللہ کے بندوں پر "راہِ حق" مشکوک اور مُشتبہ ہو جاتی ہے لہٰذا ایسے ہی لوگوں کی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے بادلِ نخواستہ ہم کو بھی اس "تلخ بحث" میں حصہ لینا پڑ رہا ہے ؎

ع دیکھو غالب مجھے اِس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

وقت کی نزاکت کا ہم کو بھی احساس ہے ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ وقت گڑھے مُردے اکھیڑنے کا نہیں لیکن کیا کیا جائے کہ ہم کو سابقہ ہی ایسے مُردہ پرستوں سے آپڑا ہے جن کی پُوری زندگی کی ساری چہل پہل کا واحد ذریعہ صرف کفر و اسلام کی یہی مخصوص بحث ہے جس کے ذریعے یہ لوگ مسلمانوں میں باہمی نفاق پیدا کر کے لوگوں کو خود اپنی ضرورت کا اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی شاندار دعوت کا احساس پیدا کرتے رہتے ہیں

کیونکہ اس حقیقت سے ان کا دل اچھی طرح واقف ہے کہ اگر مسلمانوں کو وہابی اور وہابی (جسکے لیے ابجد کے قواعد کی رُو سے نمبر ۲۲ و نمبر ۸۴ کی اصطلاح بھی مقرر ہوگئی ہے) یا دیوبندی و بریلوی کے جھگڑوں سے روشناس نہ کرایا گیا تو پبلک میں خود اُن کی اپنی رونمائی اور نذرانہ و سلامی کے مواقع نہ مل سکیں گے اسلئے ان کی ساری کوشش صرف اس بات پر صرف ہوتی ہے کہ جس قیمت پر بھی ہو مسلمانوں کے ذہن سے بریلوی و دیوبندی کا سوال کسی وقت بھی نکلنے نہ پائے۔ آپ کو چاہے رنج ہو یا خوشی لیکن واقعہ بہر حال یہی ہے کہ اسوقت یہ طبقہ اپنی کوشش میں ضرور کامیاب ہے اس وقت مسلمانوں کا باہمی جھگڑا برابر بڑھتا جا رہا ہے۔ ملک کے کتنے ہی خطے ایسے ہیں جہاں جہاں گھر گھر اور گاؤں گاؤں میں بھائی بھائی کا اور بیٹا باپ کا اور ایک عزیز دوسرے عزیز کا دشمن ہو رہا ہے۔ ان کے آتش نوا مقرر اور شعلہ بار واعظ مسلمانوں کے تعمیری و اصلاحی کاموں کو چھوڑ کر صرف باہمی تفریق و تخریب پر کمربستہ ہیں یہ نام نہاد رہنما و رہبر تو مرغ پلاؤ، انڈے پراٹھے کھا کر اپنی سلامی اور فیس وصول کرکے اپنا راستہ لیتے ہیں اور عام مسلمانوں کے درمیان گالی گلوچ، مار پیٹ، آپس کی تذلیل و تحقیر کا نہ ختم ہونیوالا سلسلہ اپنی یادگار کے طور پر چھوڑ جاتے ہیں انکو اس سے مطلق غرض نہیں کہ انکے اس رویہ سے قوم مسلم کا نفع ہو رہا ہے یا نقصان ؟

ع انکو تو اپنے پیٹ کی طغیانیوں سے کام
ملت کی ناؤ پار ہو یا درمیاں رہے

یہ حضرات بھی واضح طور پر یہ اعلان کرنے میں کوئی تکلف و تردد نہیں محسوس کرتے کہ یورپ کے یہ نادان دوست اور بزعم خود اسلام کے یہ "واحد اجارہ دار" اپنا مشن صرف

بدعات کی ترویج و اشاعت ہی تک محدود رکھتے تو ہم بھی یقیناً خاموشی ہی کو پسند کرتے جیسا کہ ہمارے اکابر علمائے حق نے ادھر ایک عرصہ سے اس تلخ و ناموزوں بحث کو منہ نہیں لگایا تھا مگر چونکہ اس صورت سے بھی عام طور پر کوئی فائدہ نہیں ہوا اور ہمارے علمائے حق کی خاموشی سے اہلِ اغراض نے ناجائز فائدہ اُٹھانا شروع کر دیا در جیسوں نے بڑے اشتہار اور پوسٹر کے علاوہ دو ورقی اور چو ورقی کتابچے لکھ لکھ کر ملک بھر میں شائع کر دیئے جن میں کوئی تو رستا ہُوا "ناسور" ہے اور کوئی اُن کے پُرانے تکفیری فتوؤں کا مجموعہ "جراثیم" (یہ اشارہ ہے ناسور وہابیہ" اور "جراثیم الوہابیہ" نامی کتابچوں کی طرف) اور یہ سب ان متعدد اور مستقل رسالوں کے علاوہ ہے جو مختلف مقامات سے ماہواری طور پر نکلتے رہتے ہیں۔

ان تمام رسائل و کتب میں عموماً انہیں اعتراض کو دُہرایا گیا ہے جن کو عرصہ سے "بڑے" حضرت "فاضل بریلی" اور اُن کے پیرو کار لوگ حضرات علماء دیوبند کے متعلق مشہور کرتے چلے آئے ہیں اور جن کے جوابات بھی اب سے پہلے بار بار دیئے جا چکے ہیں (چنانچہ اس سلسلہ میں یہ کتابیں قابل دید ہیں المہند علی المفند، عقائد علماء دیوبند، اسکات المعتدی، رد التکفیر انصاف البری، تزکیۃ الخواطر، مقامع الحدید، تذکار شہید، الجنۃ لاہل السنۃ وغیرہ ہیں) لیکن چونکہ یہ کتابیں آج کل ہر شخص کو دستیاب نہیں ہوتیں اور ان کی زبان بھی اب کسی قدر دشوار محسوس ہوتی ہے اسلئے ضرورت تھی کہ آجکل کی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے عام فہم اور آسان زبان میں (جس میں علمی اصطلاحی الفاظ سے حتی الامکان گریز کیا گیا ہو) ایک مختصر سا رسالہ تیار کیا جائے جس میں علمائے دیوبند پر جو اعتراضات عموماً کیے جاتے

ہیں۔ ان کا جواب دے کر علمائے حق کی ان الزامات سے براءت اور صفائی پیش کر دی جائے تاکہ عام مسلمانوں کو ان علماء حق کی طرف سے جو غلط فہمی ہو وہ دور ہو جائے چنانچہ اسی مقصد کے پیش نظر یہ زیر نظر رسالہ حاضر خدمت ہے۔

اس رسالہ کی تالیف کا اصل مقصد تو یہی ہے جو سطور مذکورہ میں بیان ہوا لیکن چونکہ ہر شئے اپنی ضد کے ذریعہ زیادہ آسانی سے پہچانی جاتی ہے اس لیے علماء دیوبند کے تذکرہ سے قبل حضرات بریلوی کا تذکرہ بھی ناگزیر تھا۔ بنا بریں ہم نے انتہائی مجبوری میں کچھ ان کا تذکرہ بھی کر دیا ہے اور مضامین کی ترتیب میں سہولت کے خیال سے اس رسالہ کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا ہے حصہ اول میں پہلے تو ان اتہامات و الزامات کی حقیقت ظاہر کی جائے گی جو اہل بدعت کی طرف سے علماء اہل سنت یعنی حضرات اکابر دیوبند کے متعلق کئے جاتے ہیں، پھر ان اعتراضات کا تحقیقی و تفصیلی جواب دیا جائے گا

حصہ دوم میں اہل بدعت کے خانہ ساز "دین بدعتی" پر روشنی ڈالی جائے گی کہ اندازہ ہو سکے دین و مذہب کے یہ داعی اجارہ دار دین محمدیؐ کی رو سے اسلام و ایمان میں کون سا مقام رکھتے ہیں۔ حصہ سوم میں ان حضرات کی فقرسازی کے شوق فراواں کی تصویر کشی ہو گی جس سے یہ اندازہ ہو سکے گا کہ ان کے بے دھڑک فتووں کی رو سے تو شاید کوئی بھی مسلمان مسلمان نہیں ہے تو کیا خود اعلیٰ حضرت اور ان کے پیرو بھی شاید مسلمان نہ رہ جاتے ہوں

علمائے حق پر اعتراضات و الزامات کی فہرست تو کچھ طویل ہے لیکن چند الزامات ان میں سے زیادہ مشہور اور پُر فریب ہیں جن سے غلط فہمی پیدا ہونے کے مواقع

زیادہ ہیں اس لیے ہم صرف انہی چند مشہور اعتراضات سے بحث کرینگے۔
اس مختصر اور ضروری تمہید کے بعد اب ہم ان کا آغاز حصہ اول حضرت شہید علیہ الرحمۃ پر کئے جانے والے اعتراضات کے جوابات سے کرتے ہیں۔

حصہ اوّل

علمائے دیوبند حقیقت کے آئینہ میں

تقویۃ الایمان پر اعتراضات

پہلا اعتراض یہ ہے کہ تقویۃ الایمان میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ بس ایسا ہی ہے جیسے اپنے بڑے نسبی و حقیقی بھائی کا (نعوذ باللہ منہ)

جواب یہ اعتراض بالکل غلط اور مولانا شہید پر صریح بہتان ہے۔ اعتراض کرنے والوں کی ذہنی کجی اور سوء فہمی کا آئینہ دار ہے اس لیے ہم حضرت شہید علیہ الرحمۃ کی صفائی میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کے

بجائے تقویۃ الایمان کی پوری عبارت کو پیش کر دینا زیادہ بہتر سمجھتے ہیں ۔

حضرت شہید نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث شریف نقل فرمائی ہے کہ ایک بار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار کی جماعت کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ ایک اونٹ آیا اور آپ کو سجدہ کیا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کو درخت و حیوانات تک سبھی سجدہ کرتے ہیں تو پھر ہم کیوں نہ سجدہ کیا کریں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم عبادت تو اپنے رب ہی کی کرو، اور اپنے بھائی یعنی خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت و تکریم کیا کرو ۔ (مشکوٰۃ شریف باب عشرت النساء)

اس حدیث میں چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی ذات اقدس کے لیے بھائی کا لفظ استعمال فرمایا تھا اس کے پیش نظر حضرت مولانا شہید نے اس حدیث کی تشریح فرماتے ہوئے لفظ "بھائی" کی یوں توجیہ فرما دی کہ:

انسان آپس میں سب بھائی ہیں جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجئے (جیسا کہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ سجدہ و عبادت وغیرہ صرف اللہ کے لیے ہونا چاہیئے) اور مالک سب کا اللہ تعالےٰ ہے بندگی اسی کو چاہیئے ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولیاء و انبیاء امام و امام زادہ پیر و شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور ہمارے بھائی (دینی نوع یعنی انسان ہونے کے لحاظ سے) حقیقی و نسبی بھائی مراد نہیں ہے جیسا کہ حاسدین خواہ مخواہ اعتراض کر دیتے ہیں) مگر اللہ نے ان کو بڑائی دی وہ بڑے بھائی

ہوئے ہم کو ان کی فرمانبرداری کا حکم ہے ہم ان سے چھوٹے ہیں سو ان کی تعظیم انسانوں کی سی کرنی چاہیئے نہ کہ خدا کی سی"۔

اب ناظرین خود ہی بنظر انصاف غور فرمالیں کہ مولانا شہید کا سارا زور اس خط کشیدہ ٹکڑے پر ہے اور مطلب یہی ہے کہ انسان کے ساتھ (خواہ وہ سب سے اشرف ترین و مقرب ترین انسان ہی کیوں نہ ہو) سجدہ و عبادت وغیرہ کا معاملہ نہ ہونا چاہیئے کیونکہ یہ حق صرف اللہ کا ہے۔ ہاں انسان اگر مقرب و بزرگ ہے تو اس کو اس کا حق ضرور ملنا چاہیئے اور اس کا حق اس کی تکریم و تعظیم ہے۔

ظاہر ہے کہ حضرت مولانا شہید علیہ الرحمۃ اس حدیث شریف کی اس تشریح میں بالکل حق بجانب ہیں۔ انہوں نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان والا شان سے بال برابر بھی تجاوز نہیں فرمایا ہے۔ اگر معترضین کو بھائی کا لفظ قابل اعتراض نظر آتا ہے تو وہ مولانا شہید کا اپنا لفظ نہیں ہے بلکہ خود سرور عالم فخر بنی آدم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرمایا ہوا لفظ ہے ایسی صورت میں جن صاحب کو بھی اعتراض ہوگا تو وہ درحقیقت حضرت مولانا شہید علیہ الرحمۃ پر نہ ہوگا بلکہ خود جناب رسالتماب صلے اللہ علیہ وسلم پر ہوگا۔ نعوذ باللہ۔

معترضین اس مقام پر مغالطہ دینے کی کوشش کرتے ہیں اس کو سمجھنے کے لیے "بھائی" کے لفظ پر بھی تھوڑی سی روشنی ڈالنا ضروری ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ "بھائی" کا لفظ کئی صورتوں میں بولا جاتا ہے۔ ایک تو تو

تعلق کی بناء پر اس لحاظ سے سارے بنی نوع انسان ہیں۔ دوسرے ملکی و وطنی تعلق کی بناء پر جیسے سارے ہندوستانی بھائی ہیں۔ چوتھے استاد و پیر وغیرہ کے تعلق کی بناء پر اس لحاظ سے ایک استاد کے دو شاگرد استاد بھائی۔ ایک پیر کے دو مرید پیر بھائی کہلاتے ہیں۔ پانچویں ماں باپ کے تعلق کی بنا پر اس اعتبار سے ایک مپ کے دو بیٹے آپس میں بھائی ہیں۔

معترضین نے اس موقعہ پر بھائی کے لفظ میں گڑبڑ پیدا کر دی۔ ظاہر ہے یث شریف میں بھائی کے لفظ سے صرف دینی بھائی یا نوعی بھائی یا وطنی بھائی مراد ہے حقیقی بھائی مراد نہیں ہے لیکن معترضین نے لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش ی ہے کہ مولانا شہید حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم کو محض اپنے بڑے بھائی (نسبی) یسے سمجھتے ہیں۔ (نعوذ باللہ منہ)

س جگہ یہ حقیقت بھی مخفی نہ رہنی چاہیئے کہ "بھائی" کا لفظ زبان رسالت سے رف اسی ایک حدیث میں نہیں آیا ہے بلکہ متعدد دوسری حدیثوں میں بھی یہ ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف کتاب الطہارۃ فصل نمبر ۳ میں وہ حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے بھائیوں کے دیکھنے ش و آرزو ظاہر فرمائی تو آپ کے اصحاب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ت کے بھائی نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا تم لوگ تو میرے اصحاب ہو ہمارے بھائی تو وہ مسلمان ہیں جو ابھی دنیا میں نہیں آئے۔ یک دوسرے موقعہ پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت اللہ تعالے عنہ سے فرمایا کہ اسلام میں تم میرے بھائی ہو

میں تمہارا بھائی ہوں۔ (زرقانی ص۲۳۰ ج۲)

ان احادیث کے علاوہ قرآن شریف میں تمام ایمان والوں کو بھائی کہا گیا ہے اور بہت سے پیغمبروں کے تذکرہ میں ان کو ان کی اُمت کا بھائی کہا گیا ہے حالانکہ ان کی قوم میں مشرک و کافر سب ہی تھے۔

اس موقعہ پر "فاضل بریلی" کے لائق شاگرد صدر الافاضل جناب مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی کے اس جواب کا ذکر بھی ضروری ہے جو انہوں نے دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے کو بھائی محض تواضع کے لحاظ سے فرما دیا ہے۔ کیا خوب! آپ حضرات بدنام تو کرتے ہیں علمائے دیوبند کو کہ یہ لوگ سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں مگر حال یہ ہے کہ در حقیقت آپ ہی لوگ اس مرض کا شکار ہیں اسی لیے یہ رسمی اور غیر واقعی تواضع آپ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی منسوب کر دی اور یہ خیال کیا کہ جیسے لوگ اپنے آپ کو "حقیر فقیر" وغیرہ لکھتے اور کہتے ہیں[1] اسی طرح محض رسماً آپؐ نے بھی ایسا ارشاد فرمایا۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے واقعہ کے خلاف کوئی کبھی تواضع نہیں فرمایا۔ کیونکہ آپ ہمارے جیسے صرف انسان نہ تھے بلکہ آپؐ خدا کے قاصد و رسول تھے لوگوں کو ہر قسم کے مسائل و اخلاق اور آداب کی تعلیم کے لیے آپ دُنیا میں تشریف لائے تھے۔ آپؐ کو اپنے مرتبہ کی بھی تعلیم دینی تھی اپنے ادب و تعظیم کا بھی حکم دینا تھا اسلئے واقعہ کے

---

[1] بلکہ بعض لوگ تو "سگِ بارگاہ" فلاں بھی لکھتے ہیں۔ ۱۲ ابو صہیب

خلاف آپ تواضع کیسے فرما سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے بلا تکلف و تصنع اپنے آپ کو "سید ولد آدم" (اولادِ آدم کا سردار) بھی فرمایا۔ اپنے اوپر درود و سلام بھیجنے کا حکم بھی دیا لہٰذا اس سرداری کے باوجود جو آپ نے "بھائی" فرمایا تو گویا آپ نے اخوت و مساوات کا ایک بیش بہا نکتہ ارشاد فرمایا مگر یہ صدر الافاضل اس کو محض رسمی و غیر واقعی تواضع قرار دے کر اس عظیم نکتہ کی قدر و قیمت گھٹانا چاہتے ہیں۔

الغرض ہم نے ناظرین کے سامنے تقویۃ الایمان کی اصل عبارت نقل کر دی اسکی تائید میں دوسری احادیث و آیات کے اشارے پیش کر دیئے جس سے یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہو گئی کہ ان معترضین کا یہ اعتراض بالکل لغو اور غلط ہے اور وہ شاہ شہید اس تہمت سے بالکل بری ہیں اور آپ نے جو کچھ آنحضرتؐ کے متعلق لکھا ہے وہ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ "خون کے آنسو" کے مصنف صاحب علامہ مشتاق میری جسارت معاف فرمائیں تو عرض کر دوں کہ اس قسم کے موقعہ پر یہ مصرع لکھنا شاید بر محل ہو گا کہ ؎

شعر انہیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات اُن کی

اسی سلسلہ میں اب ہم تقویت الایمان کی چند عبارتیں اور پیش کرنا چاہتے ہیں جن سے اندازہ ہوگا کہ حضرت شہید جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیسا نظریہ رکھتے تھے ملاحظہ ہو۔

ا۔ سب اولیاء انبیاء کے سردار پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم تھے۔ (تقویۃ الایمان ص)

ب۔ ہمارے پیغمبر سارے جہان کے سردار ہیں ان کا مرتبہ سب سے بڑا

ہے اور اللہ کے احکام پر سب سے زیادہ قائم ہیں اور اللہ کی راہ سیکھنے میں سب اُن کے محتاج ہیں۔ صـ ۶۴ ۔

(ح) اللہ کے رسول پر یقین (ایمان) لانا یہ ہے کہ اس کو اللہ کا رسول اور بندہ مقبول، سب مخلوق سے کمالات اور خوبیوں میں افضل جانے اور جو بات رسولؐ فرمادے اسکو بجالانے میں اللہ کی مرضی سمجھے اور رسول کے حکم کو سب مخلوق کے حکم سے مقدم کرے اور اسمیں اپنی عقل ناقص کو دخل نہ دے اور اُسکے مقابلہ میں کسی کا حکم نہ مانے اور اسکے فرمودہ (فرمائے ہوئے کلام) کو برحق جانے، پھر اس بات میں ایسا مضبوط ہوجائے کہ کبھی شبہ نہ آئے۔ صـ ۶۹

اب ناظرین خود غور فرمالیں کہ کیا کسی نسبی بڑے بھائی کے یہ احکام ہیں جو اوپر بیان ہوئے اور کیا کسی بڑے بھائی کا بھی درجہ و مرتبہ ہے اور اسکا بھی جائزہ لیں کہ کیا اہل بدعت اور دین مجدی کے پیرو اپنے بڑے بھائیوں پر بھی ایمان لانا ضروری قرار دیتے ہیں۔

اب امید یہی ہے کہ معترضین کو مولانا شہیدؒ پر اس سلسلہ میں کوئی اعتراض نہ رہنا چاہیے۔ مگر یہ کیسے ہوسکتا ہے ان کا تو سارا غصہ مولانا شہید ہی پر ہے جنہوں نے انکی ساری سکیم فیل کردی ورنہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو (نعوذ باللہ منہ) عضو معطل ہے اور نکما قرار دیکر کھلے بندوں اس قسم کے اشعار اور ایسے ہی خیالات انکا رائج کرنا چاہتے تھے ؎

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمدؐ سے

دوسرا اعتراض اس تقویۃ الایمان پہ ایک اعتراض یہ ہے کہ اس میں حضرت رسول اکرم سرور عالم فخر بنی آدم صلے اللہ علیہ وسلم کو (معاذ اللہ معاذ اللہ) چمار سے ذلیل لکھا ہے۔

جواب پہلے اعتراض سے زیادہ کھلا ہوا یہ دوسرا بہتان ہے جو علامہ شہید علیہ الرحمۃ پر لگایا گیا ہے جیسا کہ ناظرین کو آئندہ سطور سے بخوبی واضح و ظاہر ہو جائے گا۔

حضرت شہید کی صفائی اور تقویۃ الایمان کی اصل عبارت پیش کرنے کے بعد ہم چند بزرگان دین کی بھی کچھ عبارتیں نقل کریں گے جن سے اندازہ ہو جائیگا کہ حضرت شہید نے اگر کوئی جرم کیا ہے تو وہ تنہا مجرم نہیں ہیں یہ جرم ان سے پہلے دوسرے بزرگان دین سے بھی ہوا۔

حضرت شہید کی عبارت پوری پوری (اپنے سیاق و سباق کے ساتھ) یہ ہے حضرت شہید نے قرآن شریف سورہ لقمان کی ایک آیت اور ترجمہ لکھنے کے بعد فرمایا ہے کہ :-

"اللہ نے لقمان کو عقلمندی دی تھی سو انہوں نے سمجھا کہ بے انصافی (ظلم) یہی ہے کہ کسی کا حق اور کسی کو پکڑا دینا اور جس نے اللہ کا حق (یعنی اسکی عبادت و بندگی) اس کی مخلوق کو دیا (یعنی اسکی بندگی میں کسی اور کو شریک کر دیا) تو بڑے سے بڑے (اللہ) کا حق لے کر ذلیل سے ذلیل کو دیدیا جیسے بادشاہ کا تاج ایک چمار کے سر پر رکھ دیجئے اس سے بڑی بے انصافی کیا ہوگی اور یقین جان لینا چاہیئے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔ (تقویۃ الایمان صـ)

اب دُوسرے بزرگانِ دین کی بھی عبارتیں ملاحظہ ہوں :۔

۱ ۔ (الف) حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اپنی کتاب عوارف المعارف ص۹ میں فرماتے ہیں لَا یَکْمُلُ اِیْمَانُ الْمَرْءِ حَتّٰی یَکُوْنَ النَّاسُ عِنْدَہٗ کَالْاَبَاعِرِ (کسی انسان کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک اُس کو سامنے لوگ اونٹ کی مینگنی کی طرح ذلیل وحقیر نہ دکھائی دیں)

(ب) سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ فرماتے ہیں "ایمان کس تمام نہ شود تا ہمہ خلق در نزدیکی او ہمچو پشک شتر نہ نماید"

(سیرۃ الاولیاء ص۱۱۵)

(ج) سلطان المشائخ حضرت شاہ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کے ملفوظات میں انکے خلیفہ حضرت امیر حسن علاّمہ سنجری یوں نقل فرماتے ہیں کہ آدمی کا ایمان اسوقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک اس کی نگاہ میں تمام خلقت (مخلوق) مچھر سے بھی کم حقیقت نہ ہو جانے ۔

(ترجمہ فوائد الفواد ص۸۲،۸۳ ج ۳)

۲ ۔ اگر معترضین کو صرف حضرت شہید سے بغض و دشمنی نہیں ہے تو ان بزرگوں پر بھی کفر کا فتوے لگائیں ورنہ ان عبارتوں میں اور حضرت شہیدؒ کی عبارت میں فرق ظاہر کریں ۔

۳ ۔ ناظرین کرام : انصاف فرمائیں کہ حضرت شہیدؒ کی عبارت میں اور ان بزرگان دین کی عبارات میں کیا فرق ہے ؟ اور یہ بھی دیکھ لیں کہ ان عبارتوں میں سے کسی ایک عبارت میں بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص کا سوال ہے

پیدا کب ہوتا ہے کیونکہ ان میں کہیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تک تو نہیں آیا اس لیے حضرت شہیدؒ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص کا اعتراض بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ حضرت مولانا شہید نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اسکا مطلب صرف یہ ہے کہ تمام مخلوق کی عظمت کا مرتبہ (اگرچہ قرب خداوندی میں دوسروں کے لحاظ سے کیسا ہی عظیم ہو) اس وحدہٗ لاشریک اور خدائے قدوس کے مقابلہ میں وہ حیثیت بھی نہیں رکھتا جو کسی بڑے سے بڑے انسان کے مقابلہ میں کسی معمولی انسان کی ہوئی ہے مثلاً جو حیثیت کسی بادشاہ کے سامنے چمار کی ہو سکتی ہے کیونکہ بادشاہ اور چمار میں تو بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ مثلاً یہ کہ دونوں مخلوق ہیں، انسان ہیں، محتاج ہیں، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے ہیں۔ مرض و آفات میں مبتلا ہوتے ہیں، دونوں پر نیند اور موت طاری ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ان کے برخلاف خداوبندہ یا خالق و مخلوق میں تو ایک بات بھی مشترک نہیں۔ کوئی بندہ کسی طرح خدا نہیں ہو سکتا۔ کوئی مخلوق خالق نہیں بن سکتا۔ لیکن کوئی چمار انقلاب زمانہ سے بادشاہ بن کر تخت شاہی کا مستحق ہو سکتا ہے۔ اسی فرق کو ذہن نشین کرنے کے لیے مولانا شہید نے خالق کی جگہ بادشاہ اور مخلوق کی جگہ چمار کو رکھکر ایک مثال دی اور فرمادیا کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔" حضور کا تو اس میں نام تک نہیں آیا۔

اسی طرح تقویۃ الایمان میں ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں: ہمارا خالق جب اللہ ہے اور اس نے ہم کو پیدا کیا ہے تو ہم کو بھی چاہیئے کہ اپنے ہر کام پر اسکو پکاریں ہم کسی سے ہم کو کیا کام جیسے جو کوئی ایک بادشاہ کا غلام ہو چکا تو وہ اپنے ہر کام کا علاقہ اسی سے رکھتا ہے دوسرے بادشاہ سے بھی نہیں رکھتا اور کسی چوہڑے

کا تو ذکر تک نہیں کیا ہے۔ (تقویۃ الایمان ص ۱۹)

دیکھئے اس عبارت میں کہیں بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کے لیے ادنیٰ سا اشارہ نہیں ہے مگر [illegible] حضرت اور ان کے چھوٹوں کو اصرار ہے کہ ان عبارتوں میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص ہے اور یہ اور یہ اصرار اسقدر شور و غل کے ساتھ ایسے شوقیانہ انداز میں ہوا کہ عام طور پر لوگ اسی طرف متوجہ ہو گئے اور بہت سے لوگ سمجھ لینے لگے کہ ہو نہ ہو اسمیں کچھ شائبہ تنقیص ضرور ہے حالانکہ صورت واقعہ سامنے آ گئی اور روز روشن کی طرح یہ حقیقت آشکارا ہو گئی کہ حضرت شہید کی عبارت بالکل بے غبار اور اصولی ہے اور اسمیں کسی بھی ذات سے تعرض نہیں کیا گیا چہ جائیکہ سرور دو عالم کی ذات بابرکت سے اور اگر وہ عبارت قابل اعتراض ہو سکتی ہے تو مجھ کو کسی درجہ [illegible] بزرگان دین کیساتھ منقبیان [illegible] روایت جو ہم [illegible]

[illegible] کتاب [illegible] پریشان کرے کہ اگر حضرت شہید کی عبارت [illegible] تو [illegible] کیا وجہ ہے کہ "فاضل بریلی" کے جیسے [illegible] اور دوسرے بزرگوں کی [illegible] تو ایسے [illegible] حقیقت بھی آج بے نقاب کئے دیتے ہیں [illegible] حضرت شہید کو اس درجہ دشمن اور ناقابل معافی [illegible] ہے۔

شبہ

حضرت شہید نے اپنی کتاب تقویۃ الایمان میں "چوہڑے چمار" کا لفظ کسی

جگہ استعمال کیا ہے جس سے کچھ ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ان کا کوئی اصطلاحی لفظ ہے۔ لہٰذا اس بات کی تصدیق کے لیے ہم نے ان کی کتاب کا اول سے بغور مطالعہ کیا تو فصل اول ہی میں ہم کو ایک جگہ اُن کی یہ عبارت نظر آئی :

"ایک تقصیریں (غلطیاں) اس ڈھب کی ہیں جن میں بغاوت نکلتی ہے جیسے کوئی امیر یا وزیر یا چودھری قانون گو کو یا "چوہڑے چمار" کو بادشاہ بنا دے۔ یہ تقصیر سب تقصیروں سے بڑا ہے" ص۴ ۔

یہ پہلا مقام ہے جہاں "چوہڑے چمار" کا لفظ آیا ہے نیز یہاں پر اس کے ساتھ ساتھ کچھ اور الفاظ بھی ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس مقام پر ایک حاشیہ بھی ہے جس میں ان الفاظ کی یوں تشریح کی گئی ہے۔

امیر و وزیر سے انبیاء اولیاء مراد ہیں اور چودھری قانون گو سے صوفی و فقہاء مقصود ہیں اور "چوہڑے چمار سے بدعتیوں کے زندہ پیر منظور ہیں"۔

(حاشیہ تقویۃ الایمان ص۱۳)

اس حاشیہ کے بعد ناظرین کو کچھ سمجھانے کی مطلق ضرورت نہیں رہ جاتی آپ حضرات نے اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا کہ چونکہ حضرت شہید نے ان "بدعتی زندہ پیروں" کو "چوہڑے چمار" سے مثال دی تو ان کے تن بدن میں آگ ہی تو لگ گئی مگر مشکل یہ تھی کہ یہ اپنے نام پر استغاثہ و فریاد کرتے تو اس کا سننے والا کوئی نہ تھا کیونکہ کوئی نہیں حقیقت معلوم تھی۔

ع کس نمی پرسد کہ بھیا کیا ہوا

اس صورت میں اپنی بات سنوانے اور لوگوں کی ہمدردی حاصل کرنے کی صورت

یہی صورت ممکن تھی کہ مسلمانوں کو سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی پر اُبھارا جاسکے اور آپ کی آڑ میں اپنی لگی بجھائی جائے۔ چنانچہ ان لوگوں نے یہی ترکیب اختیار کی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو زبردستی موضوع بحث بنا دیا اور آپ کی عظمت و حرمت کا مسئلہ کھڑا کر دیا ورنہ حضرت شہیدؒ نے بھی تو وہ تحریر فرمایا ہے جو حضرت سہروردیؒ اور شیخ دہلوی نے ارشاد فرمایا ہے۔ مگر اب تو ہم کو ان اہل بدعت کی طرف سے یہ اندیشہ بھی ہے کہ وہ حضرت شہید کی دشمنی و ضد میں کہیں ان بزرگانِ دین کے خلاف بھی فتوے صادر نہ کردیں اس لیے ہم چند تائیدیں اور پیش کرتے ہیں۔

(الف) صاحب معالم اور صاحب مدارک نے آیت قرآنی (اِن کل من فی السموات والارض الا اٰتی الرحمٰن عبداً) کی تفسیر میں "عبداً" کے معنی یہاں ذلیل و عاجز کے لکھے ہیں۔ اس صورت میں آیت کا ترجمہ یوں ہوگا۔

"آسمانوں اور زمینوں میں جو کوئی بھی ہے وہ اللہ کے سامنے ذلیل و عاجز بن کر حاضر ہوتا ہے"

(ب) صاحب تفسیر حقانی (جن کو دیوبندی یا وہابی بھی نہیں کہا جاسکتا) اپنی تفسیر میں اسی آیت بالا کے تحت لکھتے ہیں:۔

"آسمانوں اور زمین میں سب مخلوق اس (خدا) کے سامنے غلاموں کی طرح دست بستہ ہے"

اچھی طرح دیکھ لیجئے کہ مفسر حقانی نے سب مخلوق کو دست بستہ (ہاتھ باندھے ہوئے) غلاموں سے تشبیہ دی ہے کہ نہیں؟ تو کیا اس کو بھی نعوذ باللہ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تنقیص پر محمول کر کے کفر کا فتوے ان پر بھی لگایا جائے تو کس کس پر فتوے ہوگا۔

(ج) اسی طرح آیت قرآنی انا عرضنا الامانتہ الایۃ کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ ہم نے ایک امانت (پابندی فرائض) کو آسمانوں، زمین اور پہاڑ پر پیش کیا تو ان سب نے اس کو اُٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اسکو اُٹھا یا۔ بیشک وہ انسان بہت ظالم و جاہل ہے۔ (پارہ ۲۲ رکوع ۶)

اس آیت مذکورہ کے ترجمہ میں اعلحضرتؒ فاضل بریلیؒ نے جہولاً کا ترجمہ بڑا نادان فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ اعلحضرت کی منطق کی رُو سے اس آیت کے ترجمہ سے بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نہ صرف یہ کہ تنقیص ہوتی ہے کیونکہ امانت اُٹھانے والے انسانوں میں تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں بلکہ اُن میں سب سے اوّل ہیں۔

(د) ایک اور آیت ملاحظہ ہو وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۝ اس وقت کو یاد کرو (حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے قبل) جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں" (اب فرشتوں کا جواب سنئے کہ جب اُن سے اللہ تعالےٰ نے اپنا نائب مقرر کرنے کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا)

کیا تو ایسے کو نائب بنائیگا جو اس زمین میں فساد پھیلائے اور خونریزیاں کرے"۔ (ترجمہ اعلحضرت فاضل بریلی)

اچھی طرح غور کے ساتھ دیکھ لیجئے کہ اللہ تعالےٰ نے اس موقعہ پر صرف

"خلیفہ" کا لفظ استعمال فرمایا تھا اور اسی کے لیے فرشتوں نے "فسادی" اور خونی ہونے کا اندیشہ بھی ظاہر کیا تھا مگر یہ بات یہاں پر نہیں کھلی تھی کہ خلیفہ سے مراد کون ہے لہٰذا اس کی تفسیر بھی ملاحظہ فرمالیجئے :۔

"یہاں "خلیفہ" سے حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں، اگرچہ تمام انبیاء بھی اللہ تعالےٰ کے خلیفہ ہیں"۔

دیکھا آپ نے اس تفسیر کی رُو سے حضرت آدم علیہ السلام کو بلکہ تمام انبیاء کرام کو کس طرح "در پردہ" فسادی" اور "خونی" کہدیا گیا کیونکہ اسی خلیفہ ہی کے لیے فرشتوں نے "فسادی" اور "خونی" ہونے کا اندیشہ ظاہر کیا تھا مگر ان مفسر صاحب نے کس طرح بے دھڑک لکھ دیا کہ خلیفہ سے حضرت آدمؑ مراد ہیں اور اس پر اُن کے دل کو سکون نہیں ملا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تنقیص و اہانت کی خاطر محض آپ کو بھی شامل کرنے کے لیے یہ بھی لکھ مارا کہ تمام انبیاء بھی اللہ کے خلیفہ ہیں"۔

"مفتیان بریلی" ان صاحب پر بھی کوئی زور دار فتویٰ لگائیں۔ مگر سنیئے ذرا فتوے دینے میں جلدی نہ فرمایئے ہم سے پہلے ان مفسر صاحب کا نام نامی دریافت فرمالیجئے ورنہ کہیں فتوے داغنے کے بعد آپ کو کچھ دشواری وشرمندگی کا سامنا نہ کرنا پڑے تو سُنیئے :

یہ مفسر صاحب آپ سب فاضلوں کے صدر الافاضل اور استاذ العلماء جناب مولوی نعیم الدین صاحب ہیں۔

ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سُنے

ہم جانتے ہیں کہ ہمارے اس اعتراض پر "قصر بدعت" کے کنگورے زمین بوس ہو جائیں گے اس کی بنیادیں تک ہل ہل جائیں گی بلکہ ممکن ہے کہ بعض حضرات عالم بدحواسی میں (ان فرشتوں کا نام معلوم کرنے کے لیے جنہوں نے خلیفہ کے لیے "فسادی اور خونی" کہہ کر یہ دشواری پیدا کر دی) عالم ملکوت سے خط وکتابت شروع کر دیں یا "سفر حرمین کی طرح" "سفر آخرت" فرما دیں۔ اس لیے ایسے بدحواسوں کے اطمینان کے لیے ہم یہ بھی بتائے دیتے ہیں کہ آپ لوگ اس اعتراض سے زیادہ پریشان نہ ہوں۔ یہ اعتراض بڑی آسانی سے دور ہو سکتا ہے مگر اسکا ذریعہ صرف ایک ہے وہ یہ کہ حضرت شہید اور دوسرے علماء حق کی صحیح عبارتوں کو غلط معنی پہنانے سے آپ حضرات توبہ فرمالیں۔ انشاء اللہ آپ کے دلوں میں ایسا نور پیدا ہو جائے گا کہ ساری ظلمت کافور اور سارے شبہات خود بخود دور ہو جائیں گے مگر شرط وہی ہے کہ علمائے حق کو ناحق بدنام کرنے کے لیے کوشش ناکام نہ فرمائیں۔

تقویۃ الایمان پر دوسرے اعتراض سے متعلق جو عرض کرنا تھا وہ بقدر ضرورت درج کر دیا گیا۔ اب ناظرین نے اچھی طرح اندازہ لگا لیا ہو گا کہ اس قسم کے جتنے خرافات مشہور ہیں وہ سب اہلِ حق پر افترا اور بہتان ہیں اور یہ بھی سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ اگر اس قسم کے اعتراض پیدا کرنے کی کوشش کی جائے تو اس سے صرف حضرت شہید بلکہ بہت سے بزرگانِ دین و علماء اور مفسرین کی زد میں آ جائیں گے۔ نیز یہ کہ اگر کوئی سرپھرا ان بزرگانِ دین اور مفسرین پر بھی کفر کا فتوے صادر کرنے کے لیے آمادہ ہو جائے تو

اس کا وہی بے لاگ فتوے اپنے "بڑے حضرت" اور فاضلوں کے صدر پر بھی صادر کرنا ہوگا[ا] ۔

یوں تو تقویۃ الایمان پر ان دو اعتراضوں کے سوا اور بھی چھوٹے کئی اعتراضات ہیں مگر وہ اس درجہ مشہور اور قابلِ توجہ نہیں ہیں ۔ ان اعتراضات کو مخالفین کے شور وغل نے کافی مشہور اور قابل توجہ بنا دیا اس لیے اس مختصر سے رسالہ میں زیادہ گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے ہم صرف انہیں دو اعتراضوں کے جوابات لکھ کر تقویت الایمان کی بحث ختم کرتے ہیں ۔ ناظرین کو ان دو اعتراضوں کی ساری بحث پڑھ کر اندازہ ہو ہی جائیگا کہ جب مشہور اعتراضوں کی یہ حقیقت ہے تو پھر غیر مشہور اور ناقابل توجہ اعتراضات کس درجہ لچر اور بودے ہونگے ۔ نیز ہمارا خیال یہ ہے کہ اگر سارے ہی اعتراضات کے جوابات ہم نے دیدیئے تو آخر "خون کے آنسو" رونیوالوں کو "خون تھوکنے" کی نوبت کیسے آئے گی ؟

صراطِ مستقیم کی بحث

تیسرا اعتراض

حضرت شہید علیہ الرحمہ پر ایک اعتراض یہ ہے کہ انہوں نے صراط مستقیم میں لکھا ہے کہ :۔

[ا] اور تو اور خود جناب مشتاق نے پتہ نہیں کس حالت میں یہ لکھدیا کہ کوئی مخلوق فضل وکم[ال] میں کتنی ہی اعلےٰ سطح پر کیوں نہ ہو بہر حال وہ بندہ ہے مخلوق ہے وہ معبود نہیں اور خالق نہیں (خون[کے] آنسو حصہ ا) لگایئے ان پر بھی فتوی کہ رسول اللہ کو بھی عام مخلوق کے ساتھ ایک ہی سطح پر ظاہر کر گئے ۔
(ابو صہیب)

نماز میں حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا خیال آنا (معاذ اللہ) گاؤخر کے خیال آنے سے بدتر ہے بلکہ شرک ہے۔"

جواب معترضین کا یہ اعتراض بعض حیثیتوں سے افترا و بہتان ہونے میں پچھلے دونوں اعتراضوں سے بھی بڑھا ہوا ہے کیونکہ صراط مستقیم مولانا شہید کی تصنیف ہی نہیں ہے بلکہ دراصل یہ کتاب مولانا کے پیر و مرشد حضرت سید احمد شہیدؒ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جس کا یہ حصہ (جس کی عبارت کو قابل اعتراض ظاہر کیا جا رہا ہے) مولانا شہید کا مرتب کیا ہوا نہیں ہے بلکہ ان کے پیر بھائی مولانا عبدالحیٔ صاحب (شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے داماد) کا ترتیب دیا ہوا ہے۔ اس لیے اس اعتراض کے سلسلہ میں پہلا افترا تو یہی ہے کہ معترضین نے اس کو صرف شہید دشمنی میں حضرت شہید کی طرف منسوب کر دیا (معترضین کی دیانت و امانت داری کی بہت کچھ حقیقت تو اسی سے ظاہر ہو گئی) اور دوسرا افترا یہ کیا کہ چونکہ اصل کتاب "صراط مستقیم" فارسی میں ہے اس لیے اس کا ترجمہ کرتے ہوئے جان بوجھ کر اس کے لفظوں میں ایسا کھلا ہوا تغیر و تبدل کر دیا کہ اعتراض کی گنجائش نکل سکے۔

چنانچہ ہمارا اعلان اور چیلنج ہے کہ اگر کوئی صاحب "صراط مستقیم میں وہ عبارت دکھا دیں جو اوپر اعتراض میں نقل کی گئی ہے تو ان کو منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔ اس چیلنج کے ساتھ ساتھ ہم ناظرین کے مزید اطمینان کے لیے "جراثیم الوہابیہ" نامی ایک کتابچہ کا اقتباس بھی پیش کرتے ہیں جس سے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ یہ حضرات اپنے کسی اعتراض کو قابل توجہ بنانے

کے لیے کیسی کیسی دیانت داری اور کیسی کیسی صنعت گری سے کام لیتے ہیں ملاحظہ ہو "جراثیم الوہابیہ" ص۴ پر وہابیوں کا ایک عقیدہ یوں بیان کیا گیا ہے :

عقیدہ نمبر ۵ : وہابیہ کے نزدیک نماز میں رسول پاک کا تصور اور خیال آجانا اپنے گائے اور گدھے کے تصور میں ڈوب جانے سے بدتر ہے۔ چنانچہ مولوی اسمٰعیل دہلوی امام الوہابیہ اپنی صراط مستقیم میں لکھتے ہیں :-

نماز میں پیر اور اس کے مانند اور بزرگوں کی طرف خیال لے جانا اگرچہ جناب رسالتمآب ہوں کتنے ہی درجوں اپنے بیل اور گدھے کے تصور میں ڈوب جانے سے بدتر ہے" (صراط مستقیم ص۹۶ بحوالہ جراثیم ص۴)

اس اعتراض کی حقیقت سمجھنے کے لیے ہم کو "صاحب الجراثیم" مفتی مالوہ کی وہ قیمتی خیانت دکھانی ہے جو انہوں نے "صراط مستقیم" کی عبارت کا ترجمہ کرنے سے قبل اس کا خلاصہ پیش کر کے وہابیوں کا عقیدہ بتانے میں برتی ہے۔ سنیئے :

"صراط مستقیم" میں اس موقعہ پر ایک خاص اصطلاحی لفظ "صرف ہمت" آیا ہے جس کے اصل معنی یا تو "مفتی مالوہ" کو معلوم نہ تھے یا جان بوجھ کر انجان بن گئے اور کسی طرح بڑی کوشش کے بعد اس کا ترجمہ انہوں نے "خیال لیجانا" کیا مگر بعد میں ان کو خیال آیا کہ شاید یہ لفظ "خیال لے جانا" عبارت کو قابل اعتراض بنانے کے لیے موزوں نہ ہو۔ (کیونکہ مفتی صاحب خواہ بالکل ہی مفتی کیوں نہ ہوں بلا قصد و ارادہ "خیال آنے" اور قصد و ارادہ کے ساتھ خیال لے جانے کے فرق سے بے خبر نہ ہوں گے) لہٰذا آپ خاص فکر و اہتمام سے

اس سے تحریف و تبدیل کی طرف متوجہ ہو گئے (گویا آپ نے اس مقصد کے لیے "صرفِ ہمت" فرمائی) اور آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگر "خیال لے جانے" کی بجائے "خیال آنے" کی بات کی جائے تو اس معمولی فرق پر تو شاید کوئی غور بھی نہ کرے اور اپنا مقصد نکل آئے گا کہ اعتراض کی صورت بن جائے گی۔ چنانچہ آپ نے فوراً وہابیوں کا عقیدہ بیان کرتے وقت اس کا خلاصہ یہ لکھ دیا کہ وہابیوں کے نزدیک نماز میں رسول پاک کا تصوّر اور خیال آ جانا اپنے گدھے اور گدھے کے تصوّر میں ڈوب جانے سے بدتر ہے۔

غور فرمائیے کہاں تو "صراطِ مستقیم" کا وہ قیمتی لفظ "صرفِ ہمت" (جس کی تشریح آ گے آتی ہے) اور کہاں مفتی مالوہ کا یہ سستا بلکہ بالکل منفی ترجمہ (خیال لیجانا) اور کہاں بالکل بدلا ہوا اور گمراہ کُن خلاصہ "خیال کا آ جانا" کہ ہر وہ شخص جو ذرا بھی غور کرے بیساختہ کہدے کہ یہ خلاصہ تو صراطِ مستقیم (سیدھے راستے) سے بالکل ہٹا ہوا ہے جس کو اس کے اصل لفظ سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "مفتی مالوہ" اور ان کے دوسرے ساتھیوں کی رسائی "صرفِ ہمت" جیسے بلند لفظ تک نہ ہو سکی تو انہوں نے زینہ بہ زینہ پہلے اسکا "خیال کا لیجانا" کر دیا مگر جب اس پر بھی بات بنتی نہ دکھائی دی تو جھٹ اس کو بدل کر "خیال آ جانا" کہہ دیا جس کو صراطِ مستقیم کا خلاصہ بنا کر پیش کر دینا کسی طرح درست نہیں البتہ اس کو خود مفتی مالوہ یا دوسرے معترضین کا خلاصہ کہا جائے تو بالکل مناسب اور بالکل بجا ہے۔

اب ہم چاہتے ہیں کہ پہلے "صرف ہمت" کی تفسیر و تشریح کر کے "صراط مستقیم" کی اصل عبارت اس کے صحیح مطلب کے ساتھ پیش کر دیں۔

"صرف ہمت" میں دو لفظ ہیں ایک "صرف" ، دوسرا "ہمت"۔ صرفؔ کے معنیٰ ہیں مبذول کرنا صرف کرنا۔ خرچ کرنا (جیسا کہ عام طور پر رائج ہے) اور ہمت ایک صوفیانہ اصطلاح ہے جس کی تشریح تصوف کے مشہور رسالہ القول الجمیل سے نقل کی جا رہی ہے۔

ہمت کے معنیٰ ہیں تمنا و آرزو اور خواہش و طلب کے طور پر دھن اور دھیان کے ساتھ اپنے دل کو پوری طرح یکسو کر لینا اور اپنی توجہ کو اس درجہ پختہ و مضبوط کر لینا کہ اس وقت دل میں اس مطلوب کے سوا (جس کی طرف توجہ اور دھیان ہے) کسی اور چیز کا خیال اور وسوسہ بھی نہ آئے (اسکی مثال یوں سمجھئے) جیسے کسی پیاسے کو سخت پیاس کے وقت صرف پانی ہی کا دھیان اور اسی کی دھن ہوتی ہے۔

(القول الجمیل مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ)

اب دونوں لفظوں (صرف و ہمت) کے ملانے سے یہ معنی ہوئے کہ اپنی توجہ و فکر کو پوری طرح اپنے مطلوب کی طرف پھیر دینا ہر چیز سے ہٹا کر اور الگ کر کے صرف ایک مطلوب کی طرف پوری طرح متوجہ کر دینا۔

"صرف ہمت" کے الگ الگ اور دونوں کو ملا کر ان کے مجموعی معنیٰ معلوم ہونے کے بعد اب یہ سمجھئے کہ "یہ صرف ہمت" ایک اصطلاحی لفظ ہے جو صوفیوں کے یہاں ، ایک خاص قسم کے شغل کے لیے بولا جاتا ہے جس کو وہ حضرات "شغل رابطہ"

اور "شغل برزخ" بھی کہتے ہیں اس صوفیانہ شغل کا تعلق کبھی کبھی اپنے شیخ یا کسی اور بزرگ یا خود جناب رسالتمآب سرورِ دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم سے ساتھ بھی قائم کر لیا جاتا ہے جیسا کہ القول الجمیل میں ہے۔ اپنے دل کو شیخ کی محبت کے سوا ہر چیز سے خالی کرے اور اس (شیخ) کی طرف سے فیض کا منتظر رہے اور اپنی آنکھوں کو چاہے بند رکھے یا کھلی رکھے (مگر اس طرح کہ اس وقت) شیخ کی آنکھوں کے بیچ میں ٹکٹکی لگائے رہے۔ پھر جب شیخ کی طرف سے کچھ فیض آئے تو پوری یکسوئی اور "جمعیت قلب" کے ساتھ اسکو قبول کرے اور اسکی نگرانی رکھے کہ وہ فیض جانے نہ پائے۔ اور اگر مرشد اس وقت موجود نہ ہو تو اس کی صورت کو محبت و عظمت کے ساتھ اپنی آنکھوں کے سامنے (موجود) تصور کرے۔ اس صورت میں مرشد کی یہ خیالی صورت بھی وہی فیض پہنچائے گی جو شیخ کی ہم نشینی پہنچاتی ہے۔

یہ تشریح جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ نے القول الجمیل میں تحریر فرمائی ہے۔ اب آیئے خود صراط مستقیم کو دیکھیں اس میں اس کی تشریح کن الفاظ میں کی گئی ہے ملاحظہ ہو۔

"شغل برزخ" کی صورت یہ ہے کہ خطرات کو دفع کرنے اور کامل یکسوئی پیدا کرنے کے لیے شیخ کی صورت کو پوری تعین و تشخیص کے ساتھ اپنے خیال میں حاضر کر لیتے ہیں اور کامل ادب و تعظیم کے ساتھ اپنی ساری توجہ و فکر کو شیخ کی (اسی تصور میں حاضر کی ہوئی) صورت کی طرف لگا دیتے ہیں۔ اور ایسے ہو جاتے ہیں گویا بڑے ادب و تعظیم کے ساتھ شیخ کے روبرو بیٹھے ہیں اور

اپنے دل کو پوری طرح اسی صورت کی طرف متوجہ کر لیتے ہیں۔ (صراطِ مستقیم ص۶) -
"شغل برزخ" اور "صرفِ ہمت" کی حقیقت سمجھ لینے کے بعد اب یہ سمجھئے کہ صراطِ مستقیم میں جو کچھ لکھا ہے وہ اسی صرفِ ہمت کے لیے لکھا ہے وہاں یہ ہرگز ہرگز نہیں لکھا کہ نماز میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا خیال مبارک آنا گاؤ خر کے خیال سے نعوذ باللہ بدتر ہے (جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات میں اسکا چیلنج بھی کر چکے ہیں) کیونکہ یہ بات تو معمولی عقل والا ادنیٰ درجہ مسلمان بھی جانتا ہے کہ جب نماز میں التحیات اور آیات خطاب وغیرہ پڑھی جائیں گی تو لامحالہ آنحضرتؐ صلے اللہ علیہ وسلم کا خیال مبارک آئیگا۔ بھلا کون ایسا مسلمان ہو سکتا ہے کہ جو اس کو غلط اور برا کہے۔ لہٰذا اب حقیقت بھی متعین ہو گئی کہ صراطِ مستقیم میں بیان کرنا یہ مقصود ہے کہ شغل برزخ یا صرف ہمت وغیرہ (یعنی کسی بزرگ کی صورت خیالی کو اپنے دل میں جما کر ادب و تعظیم کے ساتھ صرف انہیں کی طرف توجہ کرنا) نماز کی حالت میں صحیح نہیں ہے کیونکہ نماز کے لیے تو خدا اور رسول کا حکم یہ ہے کہ اس میں پوری توجہ خدا تعالےٰ کی طرف ہو چنانچہ قرآن کریم میں ہے اقم الصلوٰۃ لذکری۔ اب اگر اسی نماز میں "صرف ہمت" بھی کیا جائے تو اس کا تقاضہ یہ ہوگا کہ ساری توجہ ان بزرگ کی طرف ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت روح نماز اور مقصد عبادت کے بالکل خلاف ہے۔ اور نماز میں یہ شغل برزخ کرنا اس سے بھی بدتر ہے کہ انسان کو نماز میں کسی دوسری دنیاوی ذلیل و حقیر چیز کا وسوسہ آئے کیونکہ انسان کے دل میں ان چیزوں کی کوئی عزت و عظمت نہیں ہوتی اس لیے اُن

چیزوں کا وسوسہ جب بھی آئے گا تو ان کی ذلّت وحقارت کے ساتھ آئیگا۔ برخلاف شغل برزخ کی صورت کے کہ اس میں ان بزرگوں کی عزت وعظمت کیساتھ ان کے تصور کو دل میں جمالینا ضروری ہے اور نماز صرف اللہ تعالےٰ کی عزت و عظمت پر مشتمل ہونی چاہیئے۔ اس میں کسی اور کی ادب وتعظیم کرنا اور ہر طرف سے اپنے دھیان کو ہٹا کر کسی معظم بزرگ ہستی کی طرف لگا دینا اور یہ تصور کرنا کہ میں ان بزرگ کے سامنے کھڑا ہوں اور ان کو رکوع وسجدہ کر رہا ہوں۔ ظاہر ہے کہ نماز کی حالت میں تو اس کی اجازت کوئی بھی نہ دے گا۔ پھر سید احمد شہید یا مولانا شہید کا آخر کیا قصور ہے کہ ان کو اس فتوے پر اسلام سے خارج کیا جا رہا ہے۔

صراطِ مستقیم کا موضوعِ بحث معلوم ہو جانے کے بعد ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اصل فارسی عبارت بھی اس کے صحیح ترجمہ ومطلب کے ساتھ پیش کر دیں۔ ملاحظہ ہو صراط مستقیم کی عبارت یہ ہے :۔

"صرف ہمت" بسوئے شیخ وامثال آں از معظمین گو جناب رسالتمآب باشند بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق درصورت گاؤ خر خود ست کہ خیال آں با تعظیم واجلال بسویدائے دل انسان می چسپد بخلاف خیال گاؤ خر کہ نہ آنقدر چسپیدگی می بود ونہ تعظیم بلکہ مُہان ومحقّر می بود واین تعظیم واجلال غیر کہ در ملحوظ ومقصود می شود بشرک می کشد۔

ترجمہ :۔ اپنے شیخ یا کسی اور بزرگ ہستی کی طرف (خواہ جناب رسالتمآب ﷺ ہی

ہوں) صرف ہمت کرنا (یعنی اپنی توجہ کو ہر طرف سے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ہٹا کر صرف انہی بزرگ کی طرف لگا دینا) گائو خر کے خیالات میں ڈوب جانے سے بھی بدتر ہے کیونکہ اس صورت میں ان بزرگوں کا یہ تصور اور دھیان (جو شغل برزخ کے ذریعہ حاصل ہوا ہوگا) نہایت عزت و عظمت کے ساتھ دل کے اندرون حصہ میں جگہ پکڑ لیگا۔ (اور چونکہ ان بزرگوں کے ساتھ محبت و عظمت کا تعلق ہے اس لیے دل پوری طرح ان میں محو ہو کر لطف اندوز ہونے لگے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خدا تعالےٰ کی طرف سے بالکل غفلت اور بے توجہی ہو جائے گی (جو روح نماز اور مقصد عبادت کے بالکل خلاف ہے) بخلاف دوسری ذلیل و حقیر دنیاوی چیزوں کے جن سے نہ تو دل کو ایسا لگاؤ ہی ہوتا ہے اور نہ ان کی کوئی عزت و عظمت کا کوئی تصور ہی ہوتا ہے کہ ان کی عظمت خدائے معبود (جس کی نماز پڑھی جا رہی ہے) کی عظمت پر غالب آکر اُس کی جگہ چھین لے بلکہ ان ذلیل چیزوں کا تو تصور بھی ان کی ذلت و حقارت کے ساتھ دل میں آتا ہے اور گزر جاتا ہے یا انسان خود ہی ان کی ذلت و حقارت کے پیش نظر اپنی نماز کو ان ذلیل تصورات سے پاک کر لیتا ہے اور اس غیر اللہ کی عزت و عظمت جسکو نماز میں ملحوظ و مقصود بنا لیا گیا ہے۔ بعض صورتوں میں شرک تک پہنچا دیتی ہے (جیسا کہ عموماً مشرکین اسطرح اپنے بزرگوں کی بیجا تعظیم کرتے کرتے ان کو مقصود و معبود بنا کر کھلے شرک میں مبتلا ہو گئے ہیں)

یہ ہے "صراط مستقیم" کی اصل عبارت اور اُسکا صحیح ترجمہ و مطلب

اب ناظرین غور فرمالیں کہ اس میں شروع سے آخر تک صوفیوں کے شغل برز

کی بحث ہے جس کے لیے "صرف ہمت" کا لفظ آیا ہے اس میں کہیں بھی یہ نہیں ہے کہ نماز میں آنحضرت کا خیال پاک آجانا گاؤ خر کے خیال سے بدتر ہے بلکہ ان معترضین کے اعتراض کے بالکل برعکس اس میں تو یہ تحریر ہے۔ ملاحظہ ہو:-

"ہمارے بیان سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ان مندرجہ بالا چیزوں (یعنی شیخ و دیگر معظلین) کا یہ خیال آجانا بُرا ہے (نہیں بالکل نہیں) بلکہ صرف ہمت اور شغل برزخ ضرور (غلط اور) مخلص لوگوں کے خلوص کے خلاف ہے۔ ہاں اگر یہ چیزیں (بلا قصد و صرف ہمت) خدا کی طرف سے فیضان کے طور پر وارد و حاصل ہوں تو یہ اُن بڑے انعامات میں سے ہیں جو خدا کی طرف سے صرف خلوص والے بندوں کو عطا ہوتے ہیں۔" (صراط مستقیم)

دیکھئے کس قدر صاف لفظوں میں ارواح (انبیاء اولیاء) کے فیضان کو ... ص انعام الہٰی" کہا گیا ہے مگر اب اس کو معترضین کی ہٹ دھرمی کہیئے یا کچھ ... کہ وہ ان تمام تفصیلات و تشریحات سے اپنی آنکھیں بند کر کے صرف اپنی ... ہی رٹ لگائے جاتے ہیں۔ آپ لاکھ کہئے کہ بھائی میرے! ذرا انصاف کرو ... مستقیم میں کہیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال مبارک اور تصور پاک کے ... کو بُرا نہیں لکھا گیا ہے بلکہ وہ چیز دوسری ہے وہ تصوف کی ایک اصطلاحی ... کی بحث ہے اگر تم اس سے واقف نہیں ہو تو اس بحث میں نہ پڑو۔ مگر ... جب یہ لوگ آپ کی ایک بات بھی نہ سنیں گے اور کہیں گے نا صاحب ہم ... اپنے مطلب کی بات دیکھتے ہیں۔ پوری بات اور صحیح بات جب ہمارے ... حضرت نے نہیں دیکھی تو ہم کس طرح ان کے خلاف کر سکتے ہیں کیونکہ ہمارے

"بریلی والے" بڑے حضرت جب تک زندہ رہے انہوں نے اسی طرح اپنی زندگی گزاردی اور جب آخری وقت ہوا تو ہم کو یوں وصیت بھی کر گئے کہ :-

" میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پر قائم (ڈٹے) رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے "

لہٰذا ایسی صورت میں ان معترضین کے لیے اس کے سوا ہم اور کیا کر سکتے ہیں کہ ان کے لیے صراط مستقیم ملنے کی دعا خیر کریں ہاں وہ سیدھے سادے مسلمان جوان لوگوں کے مغالطوں کا شکار ہو جاتے ہیں وہ انشاء اللہ تعالےٰ اس تحریر سے ضرور مطمئن ہو کر حضرت شہیدؒ وغیرہم کی طرف سے بالکل صاف دل ہو جائیں گے۔

صراط مستقیم میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کی مزید توضیح کے لیے ہم آپ سے ایک سوال کر کے اس کا جواب چاہتے ہیں وہ سوال یہ ہے :-

" اگر کوئی شخص نماز پڑھتے وقت یہ تصور اور دھیان نہ رکھے کہ اللہ تعالےٰ کے سامنے میں نماز پڑھ رہا ہوں اور اسی کو رکوع و سجدہ کر رہا ہوں بلکہ یہ تصور جما لے اور دھیان قائم کرے کہ میں حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوں انہیں کو رکوع و سجدہ کر رہا ہوں تو اس شخص کا یہ فعل شرعاً کیسا ہے ؟ "

ظاہر ہے کہ آپ اس کے جواب میں یہی کہیں گے کہ نماز تو اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے اسمیں اس حد تک غیر اللہ کو مقصود و ملحوظ بنا لینا روح نماز کے منافی ہے بات حل ہو گئی کہ صراط مستقیم میں بھی اسی صورت پر کلام کیا گیا ہے صرف خیال آنے کی بات وہاں زیر بحث ہے ہی نہیں ۔

تحذیر الناس اور ختم نبوت کی بحث

چوتھا اعتراض معترضین کا ایک اعتراض حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی علیہ الرحمۃ کی کتاب "تحذیر الناس" پر ہے اعتراض کا مفہوم و خلاصہ یہ ہے کہ مولانا نے اپنے اس رسالہ میں جناب سرور عالم فخر نبی آدم خاتم الانبیاء والمرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کی "ختم نبوت" کا انکار کیا ہے آپ کو سب سے آخری نبی نہیں مانا ہے (نعوذ باللہ منہ)

جواب:- خدا جانے کیوں جی چاہتا ہے کہ اس اعتراض کا جواب قدرے تفصیل کے ساتھ اس شعر سے شروع کیا جائے۔

جنوں کا نام خرد پڑ گیا خرد کا جنوں جو چاہے آپ کی عقل کرشمہ ساز کرے

تفصیلی جواب تو ہم سطور آئندہ میں پیش کر رہے ہیں اس وقت اس شعر کو یہاں پیش کرنے کا جواز ظاہر کرنے کے لئے مختصراً اس قدر عرض کرنا چاہتے ہیں کہ دراصل مولانا نے اپنے اس شاہکار علمی رسالہ میں مسئلہ ختم نبوت کو ایسے عمدہ اور مکمل ثابت فرمایا ہے جس کی ہوا بھی ان معترضین کو خواب میں نہ لگی ہو گی مگر کیا کہئے جب کوئی عمدہ چیز نااہل کے پاس پہنچ جاتی ہے تو وہ اس کے ساتھ ایسی حرکت کرتا ہے۔ جیسی ان لوگوں نے تحذیر الناس رسالہ کے ساتھ کی بجائے اس کے کہ اس کے مضامین پر وجد کرتے اور دل سے حضرت نانوتوی کو مسئلہ ختم نبوت پر اعتراض کا جواب ہمیشہ کے لئے دے گئے

مگر افسوس کہ ان سب نے یہ کچھ : کیا بلکہ الٹا ان کو ختم نبوت کا منکر اور کافر بنا کر اپنی عاقبت سنوارنے میں لگ گئے۔

تفصیل جواب :- جواب لکھنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم معترضین سے ان کے اعتراض کا ثبوت طلب کریں کہ بتایئے مولانا نے یہ بات کہاں لکھی ہے؟ تو سنیئے۔

معترضین کی طرف سے اعتراض کے ثبوت میں جو عبارت پیش کی جاتی ہے وہ دراصل اس پوری جماعت بریلویہ کی دیانت وامانت کا ایک نادر روزگار شاہکار ہے اور اسی سے ان کے بڑے حضرت" کی اس تجدیدی صلاحیت کا بھی قدر اندازہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے بجا طور پر ان کی امت نے ان کو مجدد حاضرہ" کا شاندار خطاب بخشا ہے۔ ملاحظہ ہو اعلیٰ حضرت کی اس عبارت کا ترجمہ جو انہوں نے "حسام الحرمین" میں حضرت نانوتویؒ کی طرف منسوب کر کے تحذیر الناس سے نقل کی ہے۔

"اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو تو بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے"

"اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں فرق نہ آئے گا۔"

"عوام کے خیال میں تو رسول اللہ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے۔ آپ کا انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانہ میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔"

"بڑے حضرت" کا شاہکار تجدید اس عبارت میں یہ ہے کہ آپ نے اس کا پہلا ٹکڑا (یعنی اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو تو بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے) حضرت مولانا نانوتویؒ کی کتاب کے ص۱۴ سے لیا اور درمیان کے ۱۲ صفحات چھوڑ کر پھر دوسرا ٹکڑا (یعنی اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا) ص۲۸ سے لیا اور ان دو ٹکڑوں کو ملا کر شروع کتاب ص۳ کے اس تیسرے ٹکڑے (یعنی عوام کے خیال میں تو رسول اللہ کا خاتم ہونا بایں معنیٰ ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ میں آخر نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں) سے جوڑ دیا اور ایک مسلسل سی عبارت بنا دی اب ناظرین خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ یہ کون سی دیانت ہے؟ اور کیسی امانت؟ اور یہ کہ اگر اس طرح پر نئے معنیٰ پیدا کرنے کی کوشش کی جائے تو ایسی صورت کس کتاب میں ممکن نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اعلیٰحضرت کی زندگی میں ان سے بارہا یہ سوال کیا گیا کہ آپ اپنی بتائی ہوئی عبارت تحذیر الناس میں کہیں بھی اس طرح دکھا دیجئے جس طرح آپ نقل کر رہے ہیں مگر افسوس کہ دم آخر تک اس سے عاجز ہی رہے ہاں اس کا اثر اس درجہ ضرور ہوا کہ ان کے پیروکار چوکنے ہو گئے اور بعد کو لکھی جانے والی کتابوں میں اس عبارت کی یہ ترتیب بدل دی گئی یعنی صفحات کی ترتیب کا یہ الٹ پھیر کہ پہلے ص۱۴ کی

= فاضل بریلی کی جواب دہی اور مناظروں سے عاجزی و فرار کی داستانیں پڑھنی ہوں تو الحسنم سیف المنتم، ہذا استصان البری، اسکات المعتدی اور قاصمۃ الظہر ملاحظہ فرمائیں (ابو حبیب رومی)

عبارت پھر صد ۲۸ کی پھر صد ۳ ہو، تو ختم کر دیا گیا مگر درمیانی صفحات کو چھوڑ چھوڑ کر تین مختلف صفحات کے مختلف ٹکڑوں کا جوڑ توڑ بدستور قائم رہا۔ ایسی صورت میں ہم اعتراض کے جواب سے پہلے یہ تنقیح اور صفائی ضروری سمجھتے ہیں کہ علماء حق کے ان کرمفرماؤں سے یہ دریافت کریں کہ بتائیے "تحذیر الناس" کی اصل عبارت وہ ہے جو بریلی کے "بڑے حضرت" نے "حسام الحرمین" میں نقل فرمائی ہے یا اصل عبارت وہ ہے جو گھوسی کے صدر الشریعہ نے "بہار شریعت" میں نقل کی ہے۔

خدا کے لئے صاف صاف ارشاد فرمائیے کہ عبارتوں کا یہ "الٹ پھیر" جملوں کی یہ کتر بیونت ؏ آپ کے مجدد صاحب کی شان تجدید کا مظہر ہے یا تحریف و تلبیس کا ؟ اس کو ہم "شریعت کی بہار" تصور کریں یا "شریعت کے باہر" خیال کریں ؟

اس تنقیح کے بعد اگرچہ جواب کی کوئی خاص ضرورت نہیں رہ جاتی کیونکہ جن لوگوں کی دیانت و امانت کا یہ حال ہو کہ وہ "الزام تراشی" اور کافر سازی کے شوق میں عبارتوں میں کتر بیونت کر ڈالیں ایک جملہ کہیں کا دوسرا کہیں کا لے کر اس پر فتوئی داغ دیں تو ان کے فتوئی کی حقیقت ظاہر ہے اور ایسے فتاوے قطعاً اس قابل نہیں کہ ان کا کوئی جواب دے کر ان میں اہمیت پیدا کی جائے لیکن ہم

؏ بعض جگہ تو بڑے حضرت نے تحذیر الناس کی عبارت کا ترجمہ بھی غلط کیا ہے۔ مثلاً مولانا کی عبارت یہ تھی کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات (ذاتی طور پر) کوئی فضیلت نہیں (ورنہ بعض لحاظ سے فضیلت ہے بھی) اس کا ترجمہ بڑے حضرت نے عربی میں یہ فرمایا مع انہ لا فضل فیہ اصلاً اس کے باوجود اسمیں مطلق کوئی فضیلت نہیں تو

حجت تمام کرنے کے لئے چاہتے ہیں کہ تحذیر الناس کا ایک سرسری جائزہ لے کر ناظرین کو حقیقت حال سے باخبر کر دیں ہم پہلے تحذیر الناس کی وجہ تصنیف اور اس کی نوعیت کا بیان کرنا مناسب سمجھتے ہیں کہ اصل حقیقت اس طور پر زیادہ واضح ہو جائے گی۔

تحذیر الناس کی نوعیت دراصل یہ ہے کہ یہ کوئی مستقل رسالہ یا تصنیف نہیں ہے بلکہ دراصل یہ ایک سوال کا جواب ہے ورنہ مولانا قاسم صاحب کو خدانخواستہ ایسی کوئی مجبوری لاحق نہ تھی کہ وہ بیٹھے بٹھائے بیوجہ یہ بحث چھیڑ دیتے اور وہ سوال بھی کوئی معمولی سوال نہ تھا جس کو ٹال دیا جاتا بلکہ وہ سوال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پاک سے متعلق تھا جو درمنثور وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے (اختصار کے ساتھ پیش نظر ہم صرف ترجمہ یہاں پیش کر رہے ہیں)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سات زمینیں پیدا کیں اور ہر زمین میں ایک آدم ہیں تمہارے آدم کی طرح اور نوح کی طرح اور ابراہیم ہیں تمہارے ابراہیم کی طرح اور موسیٰ ہیں تمہارے موسیٰ کی طرح اور عیسیٰ ہیں تمہارے عیسیٰ کی طرح اور ایک نبی ہیں تمہارے نبی کی طرح۔

اس حدیث شریف کے پیش نظر ایک شخص نے مولانا قاسم صاحب سے سوال کیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو بتا دیا جائے کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح دوسرے انبیاء جو دوسری زمینوں میں ہیں انکا زمانہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے قبل کا زمانہ

ہے یا بعد کا یا پھر وہی زمانہ ہے جو آپ کا ہے ؟

اگر انکا زمانہ آپ سے قبل کا زمانہ ہے تو کوئی سوال ہی نہیں اگر ان کا زمانہ آپ ہی کا زمانہ ہو یا آپ کے بعد کا زمانہ ہو تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کی وجہ سے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر تو کوئی اثر نہیں پڑتا ؟

حضرت مولانا قاسم صاحب کے جواب کا مفہوم اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "سائل نے غالباً" آپ کو خاتم النبیین صرف اس لحاظ سے سمجھا ہے کہ آپ کا زمانہ آخری زمانہ ہے۔ اور بس حالانکہ" خاتم النبیین" کا یہ مفہوم تو اس کا عام مفہوم ہے اور بات کا صرف ایک رخ ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ "خاتم النبیین" دراصل ایک عہدہ اور مرتبہ کا نام ہے جو صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہے اور خاتم النبیین کا اصلی حقیقی مصداق حضور ہی کی ذات والا صفات ہے لہٰذا اس صورت میں کسی طرح کسی حالت میں بھی کوئی دوسرا "خاتم النبیین" نہیں ہو سکتا۔

اب ہمارے محترم ناظرین خود ہی بنظر انصاف غور فرمالیں کہ مولانا نے یہ جواب دے کر ختم نبوت کو پختہ طور پر ثابت فرمایا ہے یا انکار کیا ہے۔ (جیسا کہ معترضین بہتان باندھتے ہیں) اور تعجب ہے ان معترضین کی عبارت پر کہ حضرت مولانا نے بار بار اپنی عبارت میں "اگر" "بالفرض" کا لفظ بھی استعمال کرکے گویا یہ بات صاف کر دی کہ "ختم نبوت" اپنی جگہ ایک "ثابت شدہ حقیقت ہے جس کے خلاف اب ہو ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ انھوں نے صکا فرمایا کہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی ہو تو بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔"

اسی طرح صفحہ ۲ پر فرمایا کہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا!

ان عبارتوں کو اچھی طرح دیکھئے اور خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیے کہ حضرت مولانا نے اپنا جملہ "اگر" اور "بالفرض" کہہ کر شروع کیا ہے جس کا صاف اور کھلا ہوا مطلب یہی ہے کہ اول بات تو یہ ہے کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ آپ کے زمانہ میں یا آپ کے بعد کوئی نبی ہو لیکن اگر بفرض محال ہم یہ مان بھی لیں تو بھی حقیقتہً واقعہ یہ ہے کہ اس سے آپ کے خاتم النبیین ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑ سکے گا (جس کا سائل نے اندیشہ ظاہر کیا ہے) کیونکہ خاتم النبیین کا عہدہ و مرتبہ ایک ایسی خصوصی فضیلت ہے جو بہرحال آپ کو ہی حاصل ہے۔ اسی مضمون کو استاذی حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب اسعد رام پوری فرماتے ہیں ؎

رسالت کو شرف ہے ذات اقدس کے تعلق سے
نبوت ناز کرتی ہے کہ ختم الانبیاء تم ہو

مزید اطمینان کے لئے حضرت مولانا کی بعض دوسری عبارتیں بھی ہم نقل کرتے ہیں جن سے مولانا کا مقصد اور انکا مسلک و مذہب روشن ہو جائے گا۔ ملاحظہ ہو فرماتے ہیں۔

(الف) خاتمیت زمانی اپنا دین و ایمان ہے ناحق کی تہمت کا البتہ کچھ علاج نہیں"۔ (مناظرہ عجیبہ صفحہ ۳۹)

(ب) خاتمیت زمانی سے مجھے انکار نہیں بلکہ یوں کہئے کہ منکروں کے لئے گنجائش نہ چھوڑی افضلیت کا اقرار ہے بلکہ اقرار کرنے والوں کے پاؤں جما دیئے

اور نبیوں کی نبوت پر ایمان ہے پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے برابر کسی کو نہیں سمجھتا ہے" صد ۵)

رج) بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کسی اور نبی کے ہونے کا احتمال نہیں جو اس میں تامل کرے اس کو کافر سمجھتا ہوں (صد ۱)

اور اس حقیقت کو ذہن نشین کرانے کے لئے کہ "ختم نبوت" آپ کی ذاتی صفت ہے جو کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہے لہٰذا دوسری زمینوں میں دوسرے انبیاء والی حدیث شریف آپ کے ختم نبوت پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتی۔ مولانا "تصفیۃ العقائد" میں یوں فرماتے ہیں کہ :۔

اس وقت (اس حدیث کے پیش نظر) اور نبیوں میں جو انبیاء آپ کے مشابہ ہوں گے ان کی مشابہت آپ سے ایسی ہو گی جیسے عکسِ آفتاب جو آئینہ میں ہوتا ہے ہو بہو آفتاب کے مشابہ ہوتا ہے۔ اور ہم سب جانتے ہیں کہ آفتاب اصل ہے اور عکس آفتاب اسی کا پرتو ہے"

(تصفیۃ العقائد صد ۳)

تحذیر الناس کی اس تشریح و تفصیل کے بعد ہم یہاں پر اس فتوی کا ذکر بھی مناسب خیال کرتے ہیں جو خاتم علمائے فرنگی محل مولانا عبدالحئی صاحب کے مجموعہ فتاوی ج ۱ صد ۱۲ میں موجود ہے جس میں مولانا فرنگی محلی نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس اثر (حدیث) کو صحیح مانتے ہوئے تقریباً اسی انداز کا جواب دیا ہے اور یہ بات ظاہر بھی ہے کہ یہ حضرات اس کے خلاف کچھ کیسے لکھ سکتے تھے جب کہ خود حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

موجود ہے کہ اگر (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) زندہ ہوتے تو ان کے لئے میری اتباع و پیروی کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔"

یعنی اگر بالفرض ایسا ہوتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارکہ میں موجود ہوتے تو اس سے آپ کی ختم نبوّت پر کوئی اثر نہ پڑتا اسی طرح قیامت کے قریب (حضور کے زمانہ کے بعد) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دنیا میں آنا اور آپ کی شریعت کی پابندی و پیروی کرنا تو احادیث کی رو سے مشہور ہی ہے۔

غرض کہ حضرت مولانا نے تحذیر الناس میں کسی نئے نبی کے آنے کا امکان قطعاً نہیں ظاہر فرمایا ہے بلکہ آپ کا کلام صرف انہیں انبیاء سے متعلق ہے جن کے آنے کا یا موجود ہونے کا ذکر صریح و صحیح طور پر احادیث میں موجود ہے حضرت مولانا فرنگی محلی نے بھی اپنے فتاویٰ میں علامہ سیوطی سے نقل کرتے ہوئے علامہ سبکی کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم انبیاء سابق کے زمانہ میں تشریف لاتے تو ان کے رسول ہوتے۔

(مجموعۃ الفتاویٰ ج۱ ص۲۶)

اسی موقعہ پر چند سطروں کے بعد انہیں علامہ سبکی کا یہ قول بھی ہے کہ اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت (تشریف آوری) حضرت آدم و نوح و ابراہیم و موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السّلام کے زمانوں میں ہوتی تو سب کی نبوت و رسالت ہی اپنی امتوں کی جانب باقی رہتی اور آپ سب کے نبی و رسول ہوتے (ج۱ ص۲۶)

سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ حضرات اور ان کے بڑے حضرت آخر سب علماء کو ایک آنکھ سے کیوں نہیں دیکھتے؟ آخر ان عبارتوں میں اور تحذیر الناس کی عبارت میں کیا فرق ہے؟ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود پاک کسی دوسرے نبی کے ساتھ فرض کیا جا سکتا ہے۔ تو جس طرح یوں کہہ سکتے ہیں کہ۔

اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم انبیاء سابق کے زمانہ میں تشریف لاتے تو ان کے رسول ہونے" (اس کے کہنے والے علامہ سبکی و سیوطی و مولانا فرنگی محلی ہیں) اسی طرح یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ

اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو تو بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔

(مولانا قاسم صاحبؒ)

بلکہ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو مولانا قاسم صاحب کا طرز بیان زیادہ محتاط ہے کیونکہ اوّل تو انھوں نے صرف "اگر" پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ "بالفرض" کی قید بھی بڑھا کر رہا سہا موقع اعتراض ختم کر دیا پھر آپ نے آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی بتایا جس کا ذکر علامہ سبکی وغیرہ کی عبارت میں نہیں ہے

اب ان سب روشن و واضح قرائن اور دلائل کے بعد بھی اگر وہی مرغے کی ایک ٹانگ والی صورت ہے کہ نہیں؟ مولانا قاسم صاحب نے بھی اور ان علماء نے بھی ختم نبوت کا انکار ہی فرمایا ہے تو از راہ کرم ارشاد فرمایا جائے کہ ہم لوگ اس حدیث شریف کے بارے میں جو تحذیر الناس اور مجموعۃ الفتاوٰی میں صحیح تسلیم کی گئی ہے کیا عقیدہ رکھیں؟ اور اس حدیث شریف کے بارے

میں کیا فیصلہ کریں جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں ایک اور نبی (حضرت موسیٰ) کا امکان ظاہر فرمایا ہے یا جس میں اپنے زمانہ کے بعد قریب قیامت ایک اور نبی (حضرت عیسیٰ) کا آنا بیان فرمایا ہے سوچ سمجھ کر اس کا جواب ارشاد ہو!

اس ساری بحث و تفصیل سے یہ بات اچھی طرح ظاہر ہوگئی کہ تحذیر الناس کی ساری عبارتیں اپنی اپنی جگہ پر بالکل برمحل اور صحیح و درست ہیں اور بالکل بے غبار اور ناقابل اعتراض ہیں، اور اگر کوئی شخص اس غلط فہمی میں مبتلا ہو رہا ہو کہ یہ احادیث شاید قادیانیوں کے لئے کچھ سہارا بنتی ہوں تو اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں ہرگز ایسا نہیں ہے کیونکہ آیات قرآنی اور دوسری بہت سی حدیثوں کی روشنی میں یہ بات اپنی جگہ ثابت کی جا چکی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد کسی نئے اور خود رو نبی کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے سلسلہ نبوت تو بہر حال ختم ہو چکا ہے ـ جن صاحب کو اس سلسلہ کی مزید تحقیق منظور ہو مولانا مفتی شفیع صاحبؒ کی تصنیف ختم نبوت ہر سہ حصہ ملاحظہ فرمائیں، تحذیر الناس میں تو ان انبیاء کی بحث ہے جن کا ذکر دوسری حدیثوں میں موجود ہے۔

مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر ختم نبوت کے انکار کا جو الزام تھا اس کی صفائی بحمدہ تعالےٰ بخوبی ظاہر ہوگئی لیکن اس سلسلہ میں آپ پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تنقیص اور توہین کا بھی الزام لگایا جاتا ہے اس لئے اب حضرت مولانا کے ایک نعتیہ قصیدہ سے چند اشعار ہم یہاں نقل کرتے ہیں جن سے اندازہ ہو جائے گا کہ یہ الزام بھی بالکل بے بنیاد ہے ملاحظ

ہوں :-

تو فخر کون و مکاں زبدۂ زمین و زماں　　امیر لشکر پیغمبراں شہ ابرار
جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں　　ترے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار

آگے فرماتے ہیں :-

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا　　نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار
جو تو ہی ہم کو نہ پوچھے تو کون پوچھے گا　　بنے گا کون ہمارا ترے سوا غمخوار

اسی طرح فرماتے ہیں -

اُمیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید ہے یہ　　کہ ہو سگانِ مدینہ میں میرا نام شمار
جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں　　مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مور و مار
جو یہ نصیب نہ ہو اور کہاں نصیب مرے　　کہ میں ہوں اور سگانِ حرم کی تیری قطار
اُڑا کے باد میری مشت خاک کو پس مرگ　　کرے حضور کے روضہ کے آس پاس نثار
و لے یہ رتبہ کہاں مشت خاک قاسم کا　　کہ جائے کوچۂ اطہر میں تیرے بن کے غبار
مگر نسیم مدینہ ہی گرد باد بنا　　کشاں کشاں مجھے لیجا جہاں ہے تیرا غبار

اختصار کے پیش نظر اسی قدر اشعار پر اکتفا کی جاتی ہے اور اندازہ کرنے کے لئے یہ اشعار بھی بہت کافی ہیں ان اشعار سے یہ حقیقت خوب ظاہر ہو جاتی ہے کہ ان میں حقیقت و محبت کے جو جذبات موجزن ہیں وہ کسی ایسے دل کو نصیب نہیں ہو سکتے جس میں سرور عالم فخر نبی آدم صلے اللہ علیہ وسلم کی تنقیص و اہانت کا کبھی وہم و وسوسہ بھی گذرا ہو۔ ایسی صورت میں حضرت مولانا قاسم صاحبؒ پر آپ کی تنقیص کا الزام بھی سراسر بے بنیاد اور خالص طوفان

د بہتان ہے۔

پانچواں اعتراض

معترضین نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی علیہ الرحمۃ کی طرف ایک نقلی و جعلی فتویٰ منسوب کر کے یہ بہتان باندھا کہ انہوں نے کوئی فتویٰ دیا ہے کہ خدا جھوٹ بولتا ہے (معاذ اللہ) اور جو شخص خدا کو جھوٹا کہے اس کو فاسق بھی نہ کہو (معاذ اللہ)

جواب:- یہ کس قدر صریح و صاف بہتان ہے کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ کو اس فتویٰ کا علم تک نہ ہوا ان کے فتاوٰں میں کہیں اس کا پتہ نہ ہو مگر فتویٰ ان کی طرف منسوب کر دیا جائے۔ خدا جانے "اعلیحضرت" نے کس قسم کی سفلی عمل سے خدا کے جھوٹ بولنے کا یہ جھوٹا فتویٰ حاصل فرمایا۔

ہاں حضرت گنگوہی کے فتاوٰں میں ایک سوال کے جواب میں یہ فتویٰ ضرور موجود ہے ملاحظہ ہو۔

"ذات پاک حق تعالیٰ جل جلالہٗ کی پاک اور منزہ ہے کہ متصف بصفت کذب کیا جائے (یعنی وہ اس سے پاک ہے کہ اس کو جھوٹا کہا جائے) معاذ اللہ تعالیٰ کے کلام میں ہرگز ہرگز شائبہ کذب (جھوٹ کی ملاوٹ) نہیں ہے۔ قال اللہ تبارک وتعالیٰ ومن اصدق من اللہ قیلاً" اللہ تعالیٰ سے زیادہ بات کا سچا کون ہو سکتا ہے؟ کوئی نہیں ہے جو شخص حق تعالیٰ کی نسبت (جھوٹ کا) یہ عقیدہ رکھے یا زبان سے کہے کہ وہ کذب بولتا ہے وہ قطعاً" کافر ملعون ہے۔

اور مخالف قرآن و حدیث اور اجماع کا ہے وہ ہرگز مومن نہیں تعالیٰ اللہ عمّا یقولُ الظّٰلِمُونَ عُلُوّاً کبیراً (اللہ پاک ان باتوں سے بلند و بالا ہے جو یہ ظالم لوگ اس کے متعلق کہتے ہیں) البتہ یہ عقیدہ اہل ایمان سب کا ہے کہ خدا تعالیٰ کا مثلاً فرعون و ہامان و ابی لہب کو قرآن میں جہنمی ہونے کا جو ارشاد ہے وہ حکم قطعی ہے اس کے خلاف وہ ہرگز ہرگز نہ کرے گا مگر حق تعالیٰ قادر ہے اس بات پر کہ ان کو جنت دیدے (وہ اپنے اس حکم قطعی اور اعلان کر دینے کی وجہ سے) عاجز نہیں ہوگیا ہے قادر ہے اگرچہ اپنے اختیار سے ایسا نہ کرے گا:"

(اس کے بعد مولانا نے جواب کی تائید میں آیت قرآنی اور قاضی بیضاوی کی تفسیر نقل کی ہے جس کو ہم اختصار کی خاطر یہاں نقل نہیں کرتے)

ناظرین بغور ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ اس فتوئ میں مولانا نے صاف صاف فرما دیا کہ جو شخص حق تعالیٰ کی نسبت (جھوٹ کا) یہ عقیدہ رکھے وہ قطعی کافر و ملعون ہے " البتہ یہ عقیدہ اہل ایمان سب کا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مثلاً فرعون و ہامان و ابی لہب کو قرآن میں جہنمی ہونے کا ارشاد فرمایا ہے وہ حکم قطعی ہے۔ مگر وہ حق تعالیٰ قادر ہے اس بات پر کہ ان کو جنت دے دے ۔"

اگر حضرت مولانا کا یہ ارشاد غلط ہے تو پھر قرآن شریف کی ان دو آیتوں کا مطلب بتایا جائے۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (اللہ تعالیٰ آپ کے ہوتے ہوئے آپ کی بدولت ان لوگوں پر عذاب نہ کریگا)

۲۔ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا (اے رسول آپ فرما دیں کہ اللہ تعالٰے اس بات پر قادر ہے کہ وہ تم پر عذاب نازل کرے)

ان دونوں باتوں میں جو بات کہی گئی ہے وہی مفہوم مولانا کے فتویٰ کا بھی ہے یعنی یہ کہ جو کچھ اللہ نے حکم قطعی دیدیا ہے اس کے خلاف وہ ہرگز نہ کرے گا مگر وہ اپنے اس حکم و اعلان کی وجہ سے مجبور و بے بس نہیں ہوگیا ہے اس کی قدرت باقی ہے وہ چاہے تو ان کافروں (فرعون و ہامان وغیرہ کو جنت دیدے۔

لہٰذا جہاں تک اس فتویٰ کا تعلق ہے وہ بالکل برحق اور صحیح ہے اب رہی یہ بات کہ حضرت گنگوہیؒ نے کسی فتویٰ میں یا حضرت شہیدؒ نے کسی رسالہ میں یہ لکھا ہے کہ نعوذ باللہ منہ خدا تعالےٰ جھوٹ بول سکتا ہے تو یہ بالکل صریح بہتان اور صاف و سفید جھوٹ ہے۔

چھٹا اعتراض

معترضین کا ایک اعتراض حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ پر ہے وہ یہ کہ انہوں نے اپنی کتاب براہین قاطعہ" میں لکھا ہے کہ ابلیس کا علم (معاذ اللہ) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے"

جواب :- اس اعتراض کی حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ بھی بالکل بے حقیقت و سراسر طوفان و بہتان ہے کیونکہ اس اعتراض کے سلسلہ میں خود حضرت مصنف سے ان کی زندگی میں سوال کیا جا چکا ہے اس کا جو کچھ جواب مولانا نے تحریر فرمایا ہے اس کو ہم یہاں مختصراً نقل کرتے ہیں۔

(تفصیل کیلئے دیکھئے السحاب المدرار حاشیہ صـ۴۸)

"مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے جو بندہ پر الزام لگایا ہے بالکل بے اصل اور لغو ہے میں اور میرے اساتذہ ایسے شخص کو کافر و مرتد و ملعون جانتے ہیں جو شیطان علیہ اللعن (اس پر خدا کی لعنت ہو) کیا کسی مخلوق کے علم کو بھی جناب سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ کہے یہ کفر یہ مضمون کہ شیطان علیہ اللعن کا علم نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے براہین کی کسی عبارت میں نہ صراحتاً ہے نہ کنایتہً۔ مجھ کو تو مدت العمر کبھی وسوسہ بھی اس کا نہیں ہوا کہ شیطان کیا، ولی فرشتہ بھی آپ کے علوم میں برابری کر سکے چہ جائیکہ علم میں زیادہ یہ عقیدہ جو خاں صاحب نے بندہ کی طرف منسوب کیا ہے کفر خالص ہے اس کا مطالبہ روز جزا ہوگا میں اس سے بالکل بری ہوں اور باک و کفیٰ باللہ شہیداً (اللہ کی گواہی کافی ہے) اہل اسلام براہین قاطعہ کو بغور ملاحظ فرمائیں۔ مطلب صاف اور واضح ہے۔

(السحاب المدرار حاشیہ صہ ۴) خلیل احمد

حضرت مولانا کے اس صاف اور کھلے ہوئے اعلان کے بعد اگر کوئی شخص مولانا پر یہ بہتان لگاتا ہے۔ تو وہ یقیناً آخرت کے مطالبہ سے بالکل بے خوف ہے اور اس اعلان کے بعد اگرچہ کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ اس بہتان کی مزید کوئی صفائی پیش کی جائے۔ لیکن ناظرین کے اطمینان کی خاطر مختصراً ہم اس سلسلہ میں کچھ اور عرض کرنا چاہتے ہیں۔

واضح ہو کہ براہین قاطعہ کی جس عبارت کو معترضین نے یہ معنی پہنائے ہیں۔ وہاں یہ گفتگو زیر بحث ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ

علیہ وسلم میلاد شریف کی ہر محفل میں تشریف لاتے ہیں ان کے پاس اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے اس پر انوار ساطعہ کے مصنف صاحب نے قرآن و حدیث سے تو کوئی دلیل اس کی پیش نہ کی بلکہ اپنی بات کی تائید میں ملک الموت اور شیطان کو پیش کیا کہ دیکھیے "ملک الموت" لوگوں کی روح قبض کرنے کے لئے اور شیطان لوگوں کو بہکانے کے لئے ایک ہی وقت میں مختلف جگہ پہنچ جاتا ہے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تو ان سے افضل اور برتر ہیں لہٰذا آپ بھی اگر ایک وقت میں متعدد مقامات پر تشریف لے جائیں تو کیا بعید ہے ؟

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس موقع پر "انوار ساطعہ" کی اصل عبارت کے چند ٹکڑے بھی نقل کر دیں جن سے ناظرین کو اندازہ ہو جائے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وسعت علم و قدرت کا موازنہ اور اس کی زیادتی کا سوال کس نے پیدا کیا ہے اور شان گرامی کی تنقیص و اہانت کا اصل مجرم کون ہے ملاحظہ ہو فرماتے ہیں۔

" روئے زمین پر کل جگہ موجود ہونا تو کچھ خاص مخصوص خدا کے ساتھ نہیں ——— خیال کرو کہ ایک آن میں مشرق سے مغرب تک کس قدر چیونٹی مچھر کیڑے مکوڑے اور چرند، پرند، درند اور آدمی مرتے ہیں ہر جگہ ملک الموت موجود ہو جاتا ہے ——— بھلا ملک الموت علیہ السلام تو ایک فرشتہ مقرب ہے دیکھو شیطان ہر جگہ موجود ہے ——— اب فکر کرنا چاہیئے، جب چاند، سورج ہر جگہ موجود ہے اور ہر جگہ زمین پر شیطان موجود

ہے اور ملک الموت ہر جگہ موجود ہے تو یہ صفت خاص خدا کی کہاں ہوئی اور تماشہ یہ کہ اصحاب میلاد تو زمین کی تمام جگہ پاک، ناپاک، مجالس مذہبی وغیر مذہبی میں حاضر ہونا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نہیں دعویٰ کرتے ملک الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا اس سے زیادہ تر مقامات پاک و ناپاک، کفر، غیر کفر میں پایا جاتا ہے۔

اس عبارت میں مولف انوار ساطعہ نے کتنی بار حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کا موازنہ شیطان علیہ اللعنۃ سے کیا ہے اور ان کے جذبہ ایمانی کو کس خوشی کے ساتھ یہ موازنہ گوارا ہے اور کتنی صفائی کے ساتھ وہ نعوذ باللہ منہ شیطان کی برتری ثابت کر رہے ہیں اور کیسی عبارت کے ساتھ خدا کے ہر جگہ موجود ہونے کی خصوصیت کا انکار کر رہے ہیں۔

ناظرین خوب غور فرمائیں کہ "انوار ساطعہ" کے مصنف نے ایک عقیدہ کی بات کو قرآن و حدیث سے آنکھ بند کر کے صرف عقلی گدے سے اور اٹکل پچو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں "شیطان ملعون" کا نام لے کر رسول کی توہین اور تنقیص کا شوق پورا کیا ہے مگر وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس کا علماء حقانی کی طرف سے کیا جواب دیا جائے گا۔ لہٰذا پہلے سے تیار تھے کہ جب اس کا جواب دیا جائے تو ہم فوراً یہ کہدیں کہ دیکھئے انہوں نے شیطان کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے بڑھا دیا چنانچہ یہی ہوا کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب علیہ رحمۃ اللہ نے یہی اعتراض فرمایا کہ بھائی یہ عقیدہ کا مسئلہ ہے یہ اٹکل پچو نہیں ثابت

کیا جاتا اس کے لئے دلیل قطعی کی ضرورت ہوتی ہے اور تم دلیل قطعی کو چھوڑ کر صرف شیطان کی مثال دے کر کام نکالنا چاہتے ہو تو ظاہر ہے کہ اس طرح کام نہ چلے گا کیونکہ شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت علم نص سے ثابت ہوئی" فخر عالم کی وسعت علم ان مقامات کا علم جہاں مجالس میلاد ہوں مطلق علم کی بحث نہیں ہے لہٰذا جس سلسلہ میں گفتگو ہو رہی ہے وہی مراد لینا چاہیئے کہ کونسی نص قطعی ہے ؟ جس میں یہ بتایا گیا ہو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہر جگہ محفل میلاد میں بیک وقت تشریف لیجاتے ہیں اگر کوئی صاحب اس کی نص قطعی پیش فرمادیں تو مدتوں کا یہ جھگڑا ہی نہ ختم ہو جائے مگر نص قطعی تو کوئی صاحب پیش نہیں فرماتے بلکہ ناحق علمائے حق کو بدنام کرنے کی فکر میں رہتے ہیں اور ان کی عبارتوں میں کتر بیونت اور الٹ پھیر کر کے عافیت اور آخرت سے بیخوف ہو کر کفر کے فتوے دیتے ہیں جس کی کچھ مثالیں ابتک سامنے آچکی ہیں۔ اور وہی حرکت یہاں بھی کی کہ لوگوں کو محض مغالطہ میں رکھنے کے لئے یہ الزام تراشا ورنہ اس موقعہ پر مولانا کی یہ عبارت بھی تھی کہ "عقیدہ اہل سنت کا یہ ہے کہ کوئی صفت صفات حق تعالے کی بندہ میں نہیں ہوتی اور جو کچھ اپنی صفات کا ظل کسی کو عطا فرماتے ہیں اس سے زیادہ ہرگز کسی میں ہونا ممکن نہیں — جس کو علم و قدرت وغیرہ عطا فرمادیا ہے اس سے زیادہ ہرگز ذرہ بھر نہیں بڑھ سکتا شیطان کو جس قدر وسعت دی یعنی نفس وسعت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں وسعت مراد نہیں ہے) اور ملک الموت کو آفتاب و ماہتاب کو جس وضع پر بنایا ہے اس

سے زیادہ کی ان کو کچھ قدرت نہیں اور زیادہ کوئی کام ان سے نہیں نکلتا اور نہ اس کثرت وقلت پر فضل کی کمی زیادتی موقوف ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے بہت اعلےٰ و افضل ہیں مع ہذا اس کے باوجود علم مکاشفہ ان کا حضرت خضر سے بہت کم تھا اور پھر جس قدر حضرت خضر کو ملا اس سے زیادہ پردہ قادر نہ تھے۔ پس آفتاب و ماہتاب کو جو اس ہیئت و وسعت پر بنایا اور ملک الموت اور شیطان کو جو یہ وسعت دی اس کا حال مشاہدہ اور نصوص قطعیہ سے معلوم ہوا اب اس پر کسی افضل کو قیاس کر کے اس میں بھی اس مفضول رکمتر ہے کے مثل یا اس سے زائد ثابت کرنا کسی عاقل ذی علم کا کام نہیں ہے اول تو عقائد کے مسائل قیاسی نہیں کہ قیاس سے ثابت ہو جائیں بلکہ قطعی ہیں قطعیات نصوص و پختہ اور صاف و واضح دلیلوں سے ثابت ہوتے ہیں ۔۔۔ دوسرے قرآن وحدیث سے اس کے خلاف ثابت ہے پس اس کا خلاف کس طرح قبول ہو سکتا ہے۔ تیسرے اگر افضلیت رافضی ہونا ہی اس کی موجب ہے تو تمام مسلمان اگرچہ وہ فاسق ہوں اور خود مولف تو شیطان سے افضل ہیں تو کیا مولف اس افضلیت کے سبب سے اپنے لئے شیطان سے زیادہ نہیں تو اس کے برابر تو علم غیب بزعم خود ثابت کر دے اور مولف خود اپنے زعم میں تو بہت بڑا اکمل الایمان ہے تو شیطان سے ضرور افضل ہو کر اعلم من الشیطان ہوگا ۔

براہین قاطعہ ص۵۲

ناظرین غور سے ملاحظہ فرمائیں کہ انوار ساطعہ کے دلائل کا کتنا معقو

و مدلل جواب ہے اور ساری تحریر الزامی اور جوابی ہے کہیں بھی اپنا عقیدہ وہ نہیں بیان کیا ہے جو معترضین ان کی جانب منسوب کرتے ہیں۔

ہماری توضیح کے بعد یہ حقیقت اچھی طرح روشن ہو گئی کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے براہین قاطعہ میں کہیں وہ بات نہیں کہی جو بڑے حضرت نے ان کی طرف منسوب کی ہے۔

ہاں ذیل میں ہم ایک مشہور مفسر اور علامہ کی ایک عبارت نقل کرتے ہیں اور بڑے حضرت کے چھوٹے منجھلے بڑے ہر قسم کے متبعین سے اس پر فتویٰ چاہتے ہیں اگر یہ لوگ اپنی فتویٰ بازی میں سچے ہوں تو اس عبارت پر بھی کوئی فتویٰ صادر فرمائیں مگر یہ سمجھ لیں کہ اگر انہوں نے جلد بازی اور ضد میں آکر کوئی فتویٰ اس پر بھی صادر فرما دیا تو اس کے نتیجہ میں کئی سو سال کے مسلمان ایک طرف سے کافر ٹھہر جائیں گے اس لئے ذرا سوچ سمجھ کر فتویٰ صادر فرمایا جائے غور سے پڑھئے وہ عبارت یہ ہے۔

"یجوز ان یکون غیر النبی فوق النبی فی علوم لا تتوقف نبوته علیها۔"

(ترجمہ:۔ "یہ بات جائز ہے کہ کوئی غیر نبی کسی نبی سے ان علوم میں زیادہ ہو جن پر اس کی نبوت موقوف نہ ہو")

فرمایئے اس عبارت کے سلسلہ میں کیا ارشاد ہے آپ شاید کچھ فرماتے ہوئے ہچکچائیں اس لئے ہم خود ہی آپ کی جانب سے عرض کئے دیتے ...ضل بریلی ... کی منطق کا تقاضا تو یہی ہے کہ نبی کے علوم میں سارے ہی

نبی آگئے حتیٰ کہ سردار انبیاء صلے اللہ علیہ وسلم بھی اس میں داخل ہو گئے اور غیر نبی کے عموم میں بھی سارے ہی غیر آگئے حتیٰ کہ سردار اغیار شیطن بھی آگیا اس لیے ان معترض صاحب نے حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی تنقیص کی اور آپ کی شان میں سخت گستاخی کی لہٰذا یہ کافر اور جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر۔ یہ تو ہوا رضاخانی فتویٰ اب ان معترض صاحب کا نام بھی سن لیجئے یہ ہیں علامہ فخر الدین رازی صاحب تفسیر کبیر ج۷ ص۴۹۵ پر عبارت بالا موجود ہے۔ اور اگر آپ علامہ کی شخصیت سے مرعوب ہو کر ان کے خلاف فتویٰ صادر فرمانے کی ہمت نہ کریں تو براہین قاطعہ اور تفسیر کبیر کی عبارتوں کا فرق ہی واضح فرما دیجئے جناب کی روح پرواز کر جائے گی۔ مگر فرق بیان نہ ہو سکے گا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں بڑے حضرت" کے فتاویٰ احکام شریعت" کا بھی اقتباس ہم پیش کر دیں فاضل بریلی سبع سنابل سے" اسے ناقل ہیں فرماتے ہیں مخدوم شیخ ابوالفتح جونپوری اور ماہ ربیع الاول بجہت عرس رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ازدہ جا استدعا آمد کہ بعد از نماز پیشیں حاضر شوند ہر دہ استدعا قبول کرانند حاضران پرسید ندائے مخدوم ہر دہ استدعا را قبول فرمودید و ہر جا بعد از نماز پیشیں حاضر باید شد چگونہ میسر خواہد آمد، فرمود کشن رکرشن) کہ کافر بود چند صد جا حاضر می شد اگر ابوالفتح دہ جا حاضر شود چہ عجب "

(احکام شریعت ص۴۹ حصہ دوم)

ترجمہ :- مخدوم شیخ ابوالفتح جونپوری کو ماہ ربیع الاوّل میں حضور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے عرس کے لئے دس جگہوں سے دعوت آئی کہ نماز ظہر کے بعد تشریف لائیں آپ نے دسوں دعوتوں کو قبول فرمالیا۔ حاضرین نے دریافت کیا کہ اے قبلہ دسوں دعوتوں کو قبول فرمالیا ؟ دراں حالیکہ ہر جگہ بعد ظہر حاضر ہو جانا چاہیئے کس طرح ممکن ہوگا۔ فرمایا! کشن (کرشن) جو کہ کافر تھا سیکڑوں جگہ حاضر ہو سکتا تھا تو ابوالفتح اگر دس جگہ حاضر ہو تو کیا تعجب ہے ؟"

خط کشیدہ جملے غور سے دیکھئے کہ شیخ ابوالفتح علیہ الرحمہ نے کرشن جی کو کافر گردانتے ہوئے بھی اپنا موازنہ اس سے کیا اور بیک وقت متعدد مقامات کی حاضری میں اس کی برتری اور وسعت قدرت بھی تسلیم فرمالی اور پھر اعلیٰ حضرت نے نہ جانے کس دل سے اس کو گوارا فرمایا اور اپنے مقدس فتاویٰ میں جگہ بھی دے دی۔ اگر یہی بات مکتبہ دیوبند سے تعلق رکھنے والے کی کسی تحریر میں آجاتی تو سارے رضا خانیوں کے قلم ٹوٹ جاتے، دواتیں خالی ہو جاتیں اور وہ ہنگامہ برپا ہوتا کہ کان پڑی آواز بھی نہ سنائی دیتی۔

عِلم غیب کی بحث

اور

حفظ الایمان پر اعتراض

ساتواں اعتراض معترضین کا یہ اعتراض حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی علیہ الرحمہ پر ہے کہ انہوں نے حفظ الایمان میں یہ تصریح کی ہے (صاف طور پر لکھ دیا ہے) کہ:۔
غیب کی باتوں کا جیسا علم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ہے ایسا تو ہر بچہ ہر پاگل بلکہ ہر جانور ہر چارپایہ کو حاصل ہے (نعوذ باللہ)

چیلنج اور انعام سب سے پہلے تو ہم یہ اعلان اور چیلنج کرتے ہیں کہ:۔ اعتراض جن جن لفظوں کے ساتھ ہم نے اوپر نقل کیا ہے اگر کوئی صاحب بالکل ان ہی لفظوں کے ساتھ حفظ الایمان کے کسی نسخہ میں دکھا دیں تو انشاء اللہ تعالےٰ انکو منہ مانگا انعام دیا جائے گا اور یہ چیلنج بریلیوں کے ان سب اعتراضوں کے سلسلہ میں ہے جن سے ہم نے بحث کی ہے کہ وہ ہمارے نقل کئے ہوئے الفاظ اعتراض ان کتابوں میں نہیں دکھا

جواب:۔ اس اعتراض کا تفصیلی جواب پیش کرنے سے پہلے ضرور

معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع بحث (مسئلہ علم غیب) کی قدرے تفصیل عرض کر دیں تاکہ مطلب فہمی میں ناظرین کو سہولت ہو۔

واضح ہو کہ اس اعتراض کا تعلق "علم غیب" کے موضوع بحث سے ہے اور اس سلسلہ میں عموماً دو قسم کے سوالات ہوا کرتے ہیں ایک سوال تو یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو "علم غیب" تھا یا نہیں ؟ اور دوسرا سوال یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم "عالم الغیب" تھے یا نہیں ؟ یعنی آپ کی ذات اقدس کے لئے "عالم الغیب" کا لفظ بولا جا سکتا ہے یا نہیں ؟)

پہلے سوال کے جواب میں کافی تفصیل ہے اور وہ یہ کہ علم غیب سے جمیع غیب مراد ہے یا بعض" ؟

اور ہر دو صورتوں میں علم ذاتی مراد ہے یا علم عطائی ؟

اگر علم ذاتی (جو کہ اپنے آپ بغیر خدا کے دیئے ہوئے حاصل ہو) مراد ہے تو یہ بالاتفاق حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم کو حاصل نہیں تھا۔ چنانچہ خود اعلیٰحضرت فاضل بریلی بھی فرماتے ہیں کہ اول قسم علم ذاتی (صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے کسی غیر کے لئے ممکن نہیں اور جو اس علم ذاتی میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر غیر اللہ کے لئے مانے وہ یقیناً مشرک ہے

(خالص الاعتقاد صلا ۲۲)

اور اگر علم غیب عطائی مراد ہے تو جمیع وہ بھی مراد نہیں ہو سکتا خود فاضل بریلی تسلیم اور اقرار فرما چکے ہیں کہ ہم عطائے الٰہی سے بھی بعض علم ہی

ملنا مانتے ہیں نہ کہ جمیع"

(خالص الاعتقاد ص۲۳)

لہٰذا اب سوال کی صرف ایک ہی صورت باقی رہی وہ یہ کہ آپ کیلئے بعض باتوں کا علم غیب عطائی مانا جائے یا نہیں؟ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ یہی جواب دیا جائے گا کہ ہاں بیشک آپ کو غیب کی بیشمار باتوں کا علم تھا اور چونکہ آپ تمام مخلوق سے افضل ہیں اس لئے بعض علم غیب میں بھی آپ کا درجہ سب سے بڑھا ہوا ہے اور آپ کے علوم کی کوئی تعداد اور گنتی نہیں بتائی جا سکتی یعنی بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ علم غیب کی یہ شکل علمائے دیوبند کے نزدیک اختلافی نہیں ہے تو جس طرح اوپر کی دو شکلیں فاضل بریلی کو تسلیم ہیں اسی طرح یہ شکل علمائے دیوبند کو مسلم ہے۔

اب رہا دوسرا سوال (یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے یا نہیں۔ یعنی آپ کو عالم غیب کہا جا سکتا ہے یا نہیں) تو اس سوال پر بھی پہلے سوال کی طرح جرحی سوالات ہوں گے اور ہر صورت میں علیحدہ علیحدہ جواب ہوگا۔ چنانچہ اس سوال کے جوابات جو مختلف حضرات سے منقول ہیں ہم یہاں نقل کرتے ہیں:-

(۱) **اللہ تعالےٰ کا جواب** (جو قرآن شریف کی مختلف و متعدد آیات میں موجود ہے) لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ ؕ (آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں ان میں سے کوئی بھی اللہ کے سوا غیب کا عالم نہیں ہے)

دوسری جگہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یوں اعلان کرایا گیا لَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ (میں غیب کا علم نہیں رکھتا یا میں عالم الغیب نہیں ہوں) تیسری جگہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے فاطر السموات والارض ہونے اور عالم الغیب ہونے کا اعلان کیجئے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ

(۲) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جواب | (جو احادیث میں مختلف اور متعدد طور پر منقول ہے) بخاری شریف جلد ۲ میں ہے کہ چند لڑکیاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے گا رہی تھیں (شعر کا مضمون یہ تھا کہ ہم میں ایک نبی ہیں جو کل کی آنے والی (غیب کی) بات جانتے ہیں تو آپ نے منع فرمایا کہ ایسا مت کہو۔

اسی بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ ارشاد نقل کیا گیا۔ فرماتی ہیں کہ :-

"جس نے یہ کہا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم علم غیب جانتے تھے (یا آپ عالم الغیب تھے) تو اس نے اللہ تعالےٰ پر بڑا بہتان (یا بالکل سفید جھوٹ) باندھا۔"

(۳) فقہائے حنفیہ کا جواب | صاحب بحر اور صاحب خلاصہ وخانیہ نے اپنی اپنی کتابوں میں تصریح فرمائی ہے کہ :-

• اگر کسی نے اللہ ورسول کو گواہ قرار دے کر نکاح کیا تو نکاح صحیح نہ ہوگا۔ وہ کافر ہو جائے گا اس عقیدے سے وجہ سے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم غیب

جانتے تھے۔"

(۲) تاتارخانیہ میں ہے کہ اگر کسی مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور گواہ موجود نہ تھے تو اس نے کہا کہ میں نے خدا اور رسول کو یا فرشتوں کو گواہ کیا تو یہ نکاح باطل ہوگیا اور نکاح کرنے والا کافر ہوگیا کیونکہ اس نے یہ عقیدہ رکھا کہ رسول اور فرشتے غیب داں ہیں۔"

دیکھئے ان سب تصریحات سے صاف طور پر یہ حقیقت ظاہر ہوئی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم "عالم الغیب" نہ تھے۔ کیونکہ عالم الغیب دراصل اسی کو کہا جا سکتا ہے جس کو تمام باتوں کا ذاتی علم غیب ہو اور تمام علم غیب کا کوئی بھی قائل نہیں ہے یہاں تک کہ خود اعلحضرت بھی "جمیع علم غیب" ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں اسی کو کہتے ہیں" مدعی سست اور گواہ چست۔"

علم غیب سے متعلق دونوں قسم کے سوالوں پر بقدر ضرورت گفتگو ہو چکی اب ہم چاہتے ہیں کہ حفظ الایمان کا بھی سرسری جائزہ لے کر دیکھیں کہ اس میں کس قسم کا سوال ہے اور کیا جواب ہے تو سنئے:۔

حفظ الایمان بھی کوئی مستقل رسالہ نہیں ہے جس میں یوں ہی بیٹھے بٹھائے یہ بحث چھیڑ دی گئی ہو بلکہ وہ بھی دراصل چند سوالوں کے جوابات کا مجموعہ ہے جس میں سے ایک سوال علم غیب سے متعلق بھی ہے اور وہ دوسری قسم سے تعلق رکھتا ہے یعنی اس میں یہ سوال نہیں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو غیب کا کچھ علم تھا یا نہیں۔ بلکہ اس میں یہ سوال کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو "عالم الغیب" کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

اس سوال کا جواب حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے جو کچھ دیا وہ آئندہ سطروں میں ہم نقل کر رہے ہیں مگر اس طرح کہ ناظرین کی سہولت کے لئے حضرت تھانوی ؒ کی عبارت کے ساتھ ساتھ کچھ ضروری تشریح بھی کرتے جائیں گے حضرت کی اصل عبارت کو اپنی تشریحات سے نمایاں اور ممتاز رکھنے کے لئے حضرت کی عبارت خط کشیدہ ہوگی اور اپنی عبارت بین القوسین ر بریکیٹ میں ، اور بغیر خط کے رہے گی ، ملاحظہ ہو وہ جواب یہ ہے :-

"مطلق غیب سے مراد اطلاقات شرعیہ میں وہی غیب ہے جس پر کوئی دلیل قائم نہ ہو اور اس کے ادراک کے لئے کوئی واسطہ اور سبیل نہ ہو" (یعنی شریعت کی اصطلاح میں جب صرف "غیب" کا لفظ بولتے ہیں. اور اس کے ساتھ کوئی قید یا کوئی قرینہ اور نشانی کسی اور معنی کے لئے نہیں ہوتی ہے تو اس وقت اس غیب سے وہ غیب مراد ہوتا ہے جو بغیر کسی ذریعہ اور واسطہ کے حاصل ہو اور اس کے موجود ہونے کی کوئی نشانی اور دلیل نہ پائی جاتی ہو. یعنی وہ کسی دلیل کے واسطہ سے حاصل شدہ نہ ہو بلکہ ذات میں بالذات موجود ہو. ظاہر ہے کہ اس معنی کے لحاظ سے کہ وہ بغیر کسی واسطہ کے معلوم ہو یہ غیب صرف اللہ تعالےٰ ہی کی صفت ہو سکتی ہے کیونکہ اسی کا علم بغیر کسی واسطہ و ذریعہ کے ہوتا ہے، اس مدعا کی تائید میں حضرت مولانا نے قرآن و حدیث کی دلیلیں پیش فرمائی ہیں، پھر آگے فرماتے ہیں)

اور جو علم بواسطہ ہو اس پر غیب کا اطلاق ربولنا، محتاج قرینہ ہے (یعنی علم کسی واسطہ اور ذریعہ سے حاصل ہو جیسے انبیاء کرام یا اولیاء عظام کو

اللہ تعالیٰ کے بتانے اور عطا فرمانے سے علم حاصل ہوتا ہو۔ اس علم کے لئے "علم غیب" کا لفظ اسی وقت استعمال کیا جا سکتا ہے جب اس بات کے لئے کوئی قرینہ اور ثبوت ہو) تو بلا قرینہ مخلوق پر علم غیب کا اطلاق موہم شرک ہونے کی وجہ سے ممنوع و ناجائز ہوگا۔ یعنی بغیر کسی قرینہ اور نشانی یا بغیر کسی دلیل و ثبوت کے مخلوق کے لئے "غیب" کا لفظ بولنا اور استعمال کرنا ممنوع و ناجائز ہوگا کیونکہ قاعدہ بھی یہی ہے کہ کوئی لفظ جب بغیر کسی قید کے بولا جاتا ہے تو اس سے اس کے اصلی معنی ہی مراد لئے جاتے ہیں اور یہ لفظ غیب اپنے اصلی معنی کے لحاظ سے صرف اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے جس کو دوسرے کے لئے استعمال کرنے میں شرک کا شبہ اور وہم ہوتا ہے اس لئے بغیر قرینہ کے مخلوق کے لئے اس لفظ کو استعمال کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اس کے بعد مولانا نے اپنے اس مقصد کے لئے بھی آیت قرآنی اور حدیث نبوی پیش فرمائی ہے فرماتے ہیں) قرآن مجید میں لفظ "راعنا" کی ممانعت اور حدیث مسلم میں لفظ عبدِی وَاَمَتِی وَرَبِّی کہنے سے نہی اسی وجہ سے وارد ہے (یعنی جہاں کسی لفظ کے استعمال سے کسی غلط معنی کا شبہ پیدا ہوتا ہو وہاں اس لفظ کا استعمال جائز قرار نہیں دیا گیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں صحابہ کرام کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے وقت لفظ "راعنا" کے استعمال سے روک دیا گیا محض اس وجہ سے کہ اس کے یہود اور منافقین یہ لفظ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور بدتمیزی کے ساتھ استعمال کرتے تھے تو صحابہ کرام کو روک دیا گیا حالانکہ وہ لوگ اس کو اچھے معنی

میں اور اچھی نیت سے بولتے تھے لیکن اس میں چونکہ گستاخوں کی مشابہت کا شبہ ہوتا تھا اس لئے روک دیا گیا! اسی طرح حدیث میں بھی اس کی ممانعت ہے کہ کوئی آقا اپنے غلام یا لونڈی کو "عبدی" اور "امتی" کہہ کر پکارے یا کوئی غلام نہ اپنے آقا کو "ربی" کہہ کر ندا دے اور یہ ممانعت بھی صرف غلط معنی کا شبہہ ہونے کی وجہ سے کی گئی ہے تو یہی صورت یہاں بھی ہے کہ چونکہ "یہ علم غیب" اپنے اصلی معنی کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی صفت ہے" اس لئے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر عالم الغیب کا اطلاق جائز نہ ہوگا۔

اس بحث کو اور آگے بڑھانے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ حضرت مولانا کی ان دونوں باتوں کی کچھ اور تحقیق و توثیق ناظرین کے سامنے پیش کر دیں جس سے اندازہ ہو جائے کہ حضرت مولانا کی یہ تحقیق ان کی ذاتی اور خانہ ساز نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر کبیر و تفسیر بیضاوی ان دونوں تفسیروں میں غیب کے معنی یہ بتائے ہیں کہ اس سے مراد وہ شئے ہے جس کا علم و ادراک حس (آنکھ کان وغیرہ) نہ کر سکے"۔ اور تفسیر مدارک میں ہے کہ غیب وہ شئے ہے جس پر کوئی دلیل قائم نہ ہو اور کوئی مخلوق اس پر مطلع (اس کا عالم) نہ ہو" اور فتاویٰ بزازیہ" میں ہے کہ "علم کرا دینے اور بتا دینے کے بعد (کوئی چیز) غیب کہلانے کے لائق) نہیں رہ جاتی"۔

(ماخوذ از الجنۃ صفہ)

اب حفظ الایمان کی وہ متنازعہ عبارت بھی سامنے آرہی ہے جس پر بریلی کی کفر بار گن مشین جو حرکت میں آئی ہے تو کسی قیمت پر رکنے کا نام نہیں

یعنی ملاحظہ ہو ود عبارت یہی ہے ہم اس پر انشاء اللہ کے لئے خط کھینچ دیں گے اور اپنی تشریحات کو بین القوسین زیر بحث میں پیش کریں گے۔

پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا (یعنی آپ کو عالم الغیب کہنا جیسا کہ سوال میں سائل نے دریافت کیا ہے اور مولانا نے بھی "حکم کیا جانا" کا لفظ استعمال فرمایا ہے) اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس (مطلق لفظ) غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب (یہاں پر دو باتیں قابل غور ہیں ایک تو یہ کہ مولانا کی یہ جرح اور تشقیق سوال ہی کے لحاظ سے ہے لہٰذا اس سلسلہ میں اس جواب میں جہاں لفظ غیب مطلق ذکر کیا گیا ہو اس سے مطلق غیب ہی مراد لینا چاہئے اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے علوم غیبیہ کی طرف اشارہ سمجھنا صرف اپنے دل کی کجی کا اظہار ہے دوسری بات یہ کہ "کل" اور "بعض" کا استعمال اس عبارت میں عربی و علمی اصطلاح کے مطابق ہوا ہے اردو میں بعض کا جو مفہوم عام طور پر ہوتا ہے وہ اس اصطلاح سے مختلف ہے۔ اس لئے اپنے ذہن میں یہاں پر یہی اصطلاحی معنی رکھنے کی ضرورت ہے اس اصطلاح کے لحاظ سے جو چیز بھی "کل" نہ ہو وہ بعض کہلائے گی خواہ اس بعض میں وہ کل میں تعداد کے لحاظ سے صرف ایک ہی کی کمی بیشی کا فرق کیوں نہ ہو۔ مثلاً کوئی چیز اگر ایک ہزار یا ایک لاکھ، ایک کروڑ ہونے کی صورت میں کل ہوتی ہے تو وہ صرف ایک کی کمی ہو جانے سے بعض کہلائے گی اب اس کو کل نہیں کہہ سکتے یعنی جس طرح وہ چیز صرف ایک دو ہی ہوتی تو بعض کہلاتی اسی طرح محض ایک لاکھ میں سے ایک دو کی کمی پر بھی بعض

ہی کہلائے گی۔

اس اصطلاح کے پیش نظر مسئلہ غیب کو بھی سمجھئے کہ جس کو جمیع غیب حاصل ہوگا اسی کے لئے تو کل کا لفظ بولیں گے اور اگر جمیع و کل غیب سے ایک غیب بھی ..... کم ہو گیا تو اب وہ بھی بعض ہی کہلائے گا اور اسی طرح جس کو صرف ایک ہی دو بات غیب کی معلوم ہوا اس کے لئے بھی بعض ہی کا لفظ بولا جائیگا اسی اصطلاح کے پیش نظر حضرت مولانا سائل سے یہ جرح فرما رہے ہیں کہ تم جب "عالم الغیب" کا لفظ بولوگے تو بتاؤ کیا سمجھ کر بولوگے تم اس غیب سے بعض مراد لیتے ہو یا کل؟

اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس (بعض مطلق غیب) میں حضور کی کیا تخصیص ہے "(کیونکہ بعض اپنے مفہوم کے لحاظ سے کل کے سوا تھوڑے سے تھوڑے اور زیادہ سے زیادہ دونوں ہی کے لئے بولا جا سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس لحاظ سے اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کوئی تخصیص نہ رہ سکے گی۔

ناظرین کرام یہاں تک پہونچ کر دو باتیں ذہن نشین فرمالیں۔ ایک تو یہ کہ اوپر کی عبارت میں جو "اس" کا اشارہ آیا ہے وہ حضور کے علم غیب کی طرف کسی طرح ممکن نہیں ہے ورنہ عبارت ہی مہمل ہو جائے گی جیسا کہ ہم آئندہ ثابت بھی کر دیں گے اور دوسری بات یہ کہ شروع بحث میں اعتراض کے جو الفاظ نقل ہوئے تھے (کہ غیب کی باتوں جیسا علم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے ایسا تو ہر بچہ کو حاصل ہے۔ ان الفاظ کا اب تک کہیں نام و نشان تک نہیں ملا ہے اس کے بعد حضرت تھانوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایسا علم غیب

تو (یعنی اس صورت میں علم غیب جو جرح کی پہلی شق میں دریافت کیا گیا ہے واضح ہو کہ "ایسا" کے دو معنی ہیں ایک معنے ۔ اس صورت میں یہ حرف اشارہ ہوگا پس ایسا یہاں تشبیہ کے لئے نہیں ہے جیسا کہ اعلحضرت نے سمجھانے کی کوشش کی ہے ۔ اور اس کے لئے اس عبارت میں اپنی طرف سے "جیسا" کا لفظ بھی بڑھا دیا ہے ۔ بلکہ "ایسا" یہاں مطلق بیان واشارہ کے طور پر بمعنی اس یا اس لحاظ سے استعمال ہوا ہے جیسا کہ عام طور پر بولا جاتا ہے کہ خدا تعالےٰ ایسا قادر ہے کہ پل بھر میں چاہے تو غلام کو بادشاہ اور بادشاہ کو غلام بنادے ظاہر ہے کہ اس مثال میں خدا کو کسی سے تشبیہ دینا مقصود نہیں ہے ۔ اس کی دوسری مثال حضرت اسعد رام پوری کا یہ شعر بھی ہے ؎

وصل بت خود سر کی تمنا نہ کریں گے　　ہاں ہاں نہ کریں گے کبھی ایسا نہ کریں گے

تو حضرت تھانوی نے بھی اس انداز میں ایسا کا لفظ استعمال فرمایا ہے مطلب یہ کہ "بعض علم غیب" کی شق کو اختیار کر کے اس کی رو سے آپ کو عالم الغیب کہنا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس بعض کی صورت میں ظاہر لفظ کے لحاظ سے آپ کی کوئی تخصیص و خصوصیت نہ رہے گی بلکہ دوسرے عام انسانوں زید عمر وغیرہ کے لئے بھی اس کے استعمال کی گنجائش نکل آئے گی ۔ اور محض بعض علم غیب کی بناء پر ان کو بھی "عالم الغیب" کہنا ممکن ہو جائے گا کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی (یعنی اس) بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے سے پوشیدہ ہو۔

اور یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ تو عام انسانوں کی برابری کی صورت ہے یہ آپ کی خصوصیت اور آپ کے لئے باعث فضیلت نہ رہے گی لہٰذا

ایسی صورت کیوں اختیار کی جائے کہ اللہ تعالٰی کی مخصوص صفت بالکل عام بن جائے گی اور اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی امتیاز حاصل نہ ہو سکے گا۔

غرضیکہ حضرت مولانا نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے امتیاز کو باقی رکھنے اور اللہ تعالٰی کی شان میں استعمال ہونے والے خاص لفظ عالم الغیب" کو بے وجہ عام کرنے سے روکا ہے۔ اور یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ دیکھو اس لفظ (عالم الغیب) کو تم جس لحاظ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے بولنا چاہتے ہو وہ صورت ایسی ہے کہ اس میں آپ کی شایان شان ہونے کا کوئی اشارہ نہیں لہٰذا اس کو تو صرف اللہ ہی کے لئے رہنے دو کیونکہ بعض علم غیب کی بناء پر عالم الغیب کہنا ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی خصوصیت اور اس کے امتیاز کو ختم کر دے گا اور دوسری طرف اس صورت میں نہ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شایان شان کوئی خصوصیت وفضیلت ہی ہو گی اور نہ کوئی امتیاز ہی رہ سکے گا اس لئے کہ یہ صورت زید وعمر بلکہ ہر صبی ومجنوں بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لئے بھی حاصل ہے کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے تو چاہیئے کہ سب کو عالم الغیب" کہا جائے" لہٰذا دراصل تم آپؐ کی تنقیص کی شکل تجویز کرتے ہو)

(نکتہ، مولانا کے آخری جملہ میں بھی ایسی بات" کا لفظ بمعنی" اس بات اشارہ کے لئے استعمال ہوا ہے دل میں انصاف ہو تو اعتراض کا جواب

اسی میں موجود ہے :۔

یہ ہے حفظ الایمان کی متنازعہ عبارت جو ضروری تفصیل و تشریح کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کردی گئی اس کو بار بار پڑھئے اور صاف دل سے اس کا فیصلہ کیجئے کہ اس کا منشاء آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تنقیص کرنا ہے یا آپ کے لئے کوئی ایسی شکل تجویز کرنے سے روکنا ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان و عزت اور آپ کی فضیلت و خصوصیت فوت ہوتی ہو آپ کا امتیاز ختم ہو کر آپ کی حیثیت عام انسانوں جیسی رہی جاتی ہو۔

یہاں پر ناظرین کرام یہ بھی غور فرمالیں کہ حضرت مولانا کی اس ساری عبارت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب کی کوئی شکل یا مقدار یا تعد[اد] تجویز کر کے بتائی نہیں جارہی ہے کہ آپ کو اتنا علم تھا یا ایسا علم تھا نہ مولانا اپنا عقیدہ لکھ رہے ہیں بلکہ آپ کو عالم الغیب کہنے نہ کہنے کی جو بحث چل [رہی] ہے اس میں مولانا جرح اور سوال کے طور پر صرف یہ دریافت فرمارہے ہیں کہ تم لوگ "عالم الغیب" بولکر کون سا غیب مراد لیتے ہو۔ بعض غیب یا کل غیب، اگر بعض مراد لوگے تو بعض کا لفظ اپنے ظاہری لحاظ سے ایسا ہے جس کی وجہ سے آنحضر[ت] صلے اللہ علیہ وسلم کی کوئی خصوصیت و فضیلت ظاہر نہ ہو سکے گی کیونکہ بعض بعض باتوں کا علم جانوروں تک کو ہوتا ہے۔ (جیسا کہ قرآن شریف ...

ہدہد کا مقولہ ہے جو مشہور ہے جس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے یہ کہا تھا کہ مجھ کو وہ بات معلوم ہے جس کی آپ کو خبر نہیں" یا جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ قبر میں جب کسی مردے کو عذاب دیا جاتا ہے

انسان وجن کے سوا دیگر مخلوق کو اس کا علم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا تم لوگ ایسی صورت کیوں تجویز کرتے ہو جس میں حضور کا امتیاز ختم ہو جائے اور آپ کی تنقیص کی صورت نکل سکے۔

اب ہم بڑے حضرت" مائتہ حاضرہ کے مجدد" صاحب کی تجدیدی کارگذاری پر بھی تھوڑی روشنی ڈالنا چاہتے ہیں کہ انہوں نے حفظ الایمان کی ایک سطر سے بھی کچھ کم عبارت میں "تین کرتب" فرمائے ہیں۔

پہلا کرتب تو یہ" حفظ الایمان" میں جو بات بعض علم غیب کے لئے (بغیر کسی قید و مقدار کے) کہی گئی تھی آپ نے اس کو بڑی کتاب "حسام الحرمین" میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب فرما کر لکھدیا یعنی مولانا کی عبارت میں اپنی طرف سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام نامی بڑھا کر آنحضرت کی توہین وتنقیص کی صورت پیدا فرمائی اور دوسرا کرتب یہ کیا کہ مولانا کی عبارت میں آئے ہوئے لفظ" ایسا" کو مصنف کے منشا کے بالکل خلاف تشبیہ کے لئے قرار دے لیا حالانکہ تشبیہ کے معنی مراد ہوتے تو صرف ایسا" کا لفظ کافی نہ ہوتا اس کے ساتھ" جیسا" کا لفظ بھی ہونا چاہیئے تھا چنانچہ خود اعلیٰحضرت کو بھی شاید اس کی کمی محسوس ہوئی مگر وہ بھلا ہماری آپ کی طرح" لکیر کے فقیر" تو تھے نہیں کہ جو بات جس طرح لکھی ہو اس کو اسی طرح مان لیں انہوں نے فوراً ایک تیسرا کرتب کر دکھایا وہ یہ کہ اپنے کافر ساز کارخانہ" سے" جیسا" ایک چلتا ہوا فقرہ (پرزہ) لے کر مولانا کی عبارت میں لگا دیا اور پوری عبارت کو بالکل ٹوک پلک سے درست کر کے فتویٰ

کفر کے لائق بنا لیا خیر کوئی بات نہیں وہ اپنی جیسی کر گئے تو کیا ہوا ہم بھی ذرا اپنی جیسی کر دیکھتے ہیں مگر آئیے پہلے ذرا یہ تو دیکھیں تو وہ اپنی کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوئے۔

اب ہم آپ کے سامنے اعلیٰحضرت کے منشاء و تجویز کے مطابق، حفظ الایمان کی عبارت پیش کرتے ہیں ملاحظہ ہو۔اس عبارت کی مجموعی صورت یہ ہوتی ہے تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے رجو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے، آپ کے بعض غیب مراد ہیں یا کل ؟ "

حالانکہ مولانا نے یہ دریافت فرمایا تھا کہ اس (مطلق) غیب سے بعض غیب مراد ہیں یا کل ؟ اب یہ ہے بڑے حضرت کا بڑا کمال کہ آپ نے صرف یہ نہیں کیا کہ ایک "غیر کفری" اور صحیح عبارت کو "کفری" بتا دیا بلکہ زبان دقواعد کے لحاظ سے صحیح و درست ایک عبارت کو (مہمل) بنا دیا مگر کیا کیجئے کہ خاک پاک بریلی سے اس کے سوا اور توقع ہی کیا ہو سکتی تھی۔

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

حفظ الایمان کی یہ بحث ادھوری رہ جائے گی اگر اسی سلسلے میں دو باتوں کا اور ذکر نہ کیا جائے گا۔ پہلی بات تو حضرت تھانویؒ کا وہ اعلان ہے جو انہوں نے اس اعتراض کی صفائی کے سلسلہ میں دیا تھا اور دوسری بات اسی سلسلہ میں مولانا کی طرف سے ایک دوسرا اعلان ہے جس میں مولانا نے اس عبارت کو بدل کر ہمیشہ کے لئے اعتراض کرنے والوں کا منہ بند کر دیا۔ لیکن جن

کی فطرت ہی میں بے وجہ بولنا، چیخنا، شور مچانا اور جن کا دین و مذہب ہی افترا و اعتراض ہو جن کو ان کے حکیم نے سچی بات ماننے سے ہی پرہیز بتایا ہو وہ اس ترمیم کے بعد بھی وہی رونا روتے رہے اور جب آنکھ کا سارا پانی مرگیا اور معمولی آنسو ختم ہو گئے تو "خون کے آنسو" بہانے لگے اور اب تو اس کا بھی اندیشہ ہے کہ آئندہ "خون کا تھوک" یا "خون کی قے" نہ آنے لگے۔

اب سنئے وہ اعلان صفائی جو حضرت مولانا نے ابن شیر خدا سید مرتضیٰ حسین صاحب کے نام تحریر فرمایا تھا۔

میں نے یہ خبیث مضمون (جو حسام الحرمین وغیرہ میں میری طرف منسوب کیا گیا ہے) کسی کتاب میں نہیں لکھا اور لکھنا تو درکنار میرے قلب میں بھی اس مضمون کا کبھی خطرہ (وسوسہ) نہیں گذرا جو شخص ایسا اعتقاد رکھے یا بلا اعتقاد صراحۃً یا اشارۃً یہ بات کہے میں اس شخص کو خارج از اسلام سمجھتا ہوں"۔ مختصراً

اس اعلان بیزاری اور اظہار صفائی کے بعد بعض لوگوں نے حضرت کو مشورہ دیا کہ بعض بد باطن اور کج طبع لوگ اب بھی آپ کی عبارت کی وجہ سے سیدھے سادے لوگوں کو شبہ میں ڈالتے ہیں اور غلط فہمی پیدا کرتے ہیں آپ اس عناد و فساد کا سلسلہ اور دروازہ بند کرنے کے لئے اپنی عبارت میں احتیاطاً اور مصلحتاً ہی سہی کوئی مناسب ترمیم فرما دی اور یہ جواب تحریر فرما دیا۔

جزاکم اللہ تعالےٰ بہت اچھی رائے ہے کیونکہ اس سے قبل کسی نے

واقعی بنا ظاہر نہیں کی اس لیئے ترمیم کو دلالت علیٰ خلاف المقصود کے اقرار کے لیئے مستلزم سمجھا یعنی اس سے پہلے اس بنا پر ترمیم نہیں کی گئی تھی کہ اول تو کسی نے معقول طور پر اس کا مطالبہ نہیں کیا تھا اور دوسرے یہ اندیشہ بھی تھا کہ مخالفین اس ترمیم و تبدیل کا مطلب یہ نکالیں گے کہ چونکہ پہلی عبارت واقعی کفریہ تھی اسی ؎ لیئے تو بدل دیا ورنہ بدلنے کی کیا ضرورت تھی مگر اب چونکہ احتیاطاً اور مصلحتاً لوگوں کو غلط فہمی سے بچانے کے لیئے بدلنا مناسب کہا جا رہا ہے اس طرح بدلتا ہوں حالانکہ واقعہ یہی ہے کہ عبارت پہلے بھی درست تھی اب حفظ الایمان کی عبارت کو اس طرح بدلنا ہوا" اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی کیا تخصیص ہے مطلق بعض علوم غیبیہ تو غیر انبیاء علیہم السلام کو بھی حاصل ہیں تو چاہیئے کہ سب کو عالم الغیب کہا جائے اور ایسی عبارت بعینہا شرح مواقف اور مطالع الانظار میں موجود ہے اب اگر اس پر بھی کلام ہو تو پھر بدلنے کو تیار ہوں مگر شرح مواقف اور مطالع الانظار کی عبارت بدلنے کے بعد یہ جواب ختم ہوا حضرت مولانا کا یہ اعلان حفظ الایمان کے ساتھ ہی تغیر العنوان کے نام سے برابر شائع ہوتا رہتا ہے)

؎ اب کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت مولانا کا یہ اندیشہ صحیح نہ تھا جبکہ دہلی میں اثنائے مناظرہ مولوی عبد العزیز صاحب نے یہ کہہ دیا کہ آپ ناحق تھانوی صاحب کی وکالت کرتے ہیں اگر پہلی عبارت کفریہ نہ تھی تو وہ اس میں ترمیم کیوں کی حاشیہ صاعقہ آسمانی صـ روداد مناظرہ منعقدہ دہلی

حضرت مولانا کے جواب میں شرح مواقف اور مطالع الانظار اہل سنت کی کتب عقائد کا ذکر آگیا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کم از کم ان کی عبارتوں کے ترجمے ہی نقل کر دیئے جائیں ملاحظہ ہو شرح مواقف کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے۔

"اے فلاسفہ جو کچھ تم نے کہا ہے وہ مردود و نادرست ہے جیسا کہ خود تم کو بھی اقرار ہے۔ کیونکہ بعض علم غیب تو تم خود ریاضت کرنے والوں کے لئے اور بیماروں (مالیخولیا جنون وغیرہ کے مریض) کے لئے بھی مانتے ہو لہذا اس (بعض علم غیب) کی صورت میں نبی کو غیر نبی سے کوئی امتیاز (فرق) نہ رہ سکے گا (شرح مواقف کا ترجمہ)

ناظرین بغور ملاحظہ فرمائیں کہ "شرح مواقف" کی اس عبارت میں تقریباً وہی بات اور انہیں الفاظ میں کہی گئی ہے جو حضرت مولانا نے ابتداً "حفظ الایمان" میں تحریر فرمائی تھی اب مطالع الانظار کی عبارت کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

اگر اطلاع (علم غیب) سے مراد تمام غیبوں کا علم ہے تو ہمارے اور تمہارے اتفاق سے یہ بات نبی ہونے کے لئے شرط نہیں اور اگر اس اطلاع (غیب) سے بعض (غیب) کی اطلاع مراد ہے تو یہ بات نبی کے لئے مخصوص نہیں ہے کیونکہ کسی کے لئے بھی بعض غیب کا علم ممکن ہے۔

(مطالع الانظار کا ترجمہ)

دیکھئے مطالع الانظار کا مفہوم بالکل وہی ہے۔ جو حضرت مولانا کی دوسری عبارت کا ہے جو تغیر العنوان میں شائع ہوئی ہے۔

اب یہ بڑے حضرت کا حضرت پن ہو یا ان کا تجدیدی کرشمہ کہ علمائے حرمین سے فتویٰ حاصل کرنے کے لئے ان کو یہ عربی کتابیں نہیں ملیں جن کو علمائے حرمین پوری طرح دیکھ بھال سکتے اور سمجھ بوجھ کر بصیرت کے ساتھ کوئی فتویٰ دیتے بلکہ ان کو ملیں تو اردو کی کتابیں ملیں جن کو عربی میں اپنے کرتبوں کے ساتھ منتقل کر کے ان کو فتویٰ حاصل کرنا پڑا۔ حضرت تھانوی نے "بڑے حضرت" کی اسی "دیانت و امانت کا پردہ چاک کرنے کے لئے یہ تحریر فرمایا ہے کہ اگر اس پر بھی کلام ہو تو پھر بدلنے کو تیار ہوں مگر شرح واقف" اور مطالع لانظار کی عبارت بدلنے کے بعد"

بفضلہ تعالےٰ حفظ الایمان کی پوری بحث ہر پہلو کے ساتھ تمام ہوئی جس کا خلاصہ یہ چند باتیں کہی جا سکتی ہیں۔

اول یہ کہ حفظ الایمان کی عبارت پہلے بھی بے غبار تھی جیسا کہ شرح مواقف کی عبارت سے اس کی مطابقت ظاہر کر رہی ہے دوسری بات یہ کہ علم غیب کا لفظ اپنے اصل معنی کے لحاظ سے صرف اللہ تعالےٰ کے لئے مخصوص ہے کسی غیر کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں اسی بناء پر فقہائے حنفیہ نے "علم غیب" کا عقیدہ کسی اور کے لئے ماننے والوں کو کافر کہا ہے اور اسی لحاظ سے حضرت مولانا شہید اور حضرت گنگوہی نے غیر اللہ کے لئے "علم غیب" ماننے کو شرک کہا ہے۔ تیسری بات یہ کہ خدا تعالےٰ کے سوا جس کو بھی جو کچھ علم غیب حاصل ہے وہ ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہے اور عطائی میں بھی جمیع نہیں بلکہ بعض کا علم ہے

جیسا کہ اعلیحضرت کی مشہور کتاب خالص الاعتقاد اور الدولۃ المکیہ میں مذکور ہے۔ (ملاحظہ ہو ص۲۲ و ص۲۳)

"چوتھی بات یہ کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے "عالم الغیب" کا لفظ بولنا اور آپ کو "عالم الغیب" کہنا صحیح نہیں"!

ظاہر ہے کہ اس مسئلہ میں اس قدر گوشہائے بحث ہوتے ہوئے اسکی بالکل گنجائش ہے کہ مختلف علماء کے جوابات بھی اس میں مختلف ہوجائیں مگر خون کے آنسو، کے مصنف فاضل مشتاق بہت خوش ہیں کہ ہم نے مولانا شہید اور مولانا گنگوہی کے فتوؤں سے دوسرے علماء دیوبند کو کافر بنا دیا حالانکہ حقیقت صرف اتنی ہے کہ ان علماء میں سے جس نے علم غیب کے اصلی معنی کا لحاظ کیا اس نے غیر اللہ کے لئے اس کا استعمال ناجائز اور کفر و شرک بتادیا جیسے کہ فقہائے حنفیہ اور مولانا شہید و مولانا گنگوہی بلکہ خود اعلیحضرت بھی ان کے ساتھ ہیں اور جس نے اس کے معنی مجازی پر نظر کی تو اس نے غیر اللہ کے لئے بھی لفظ غیب کا استعمال کرنے کی گنجائش نکال دی اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ لوگ ان علماء حق کے ممنون ہوتے جنہوں نے اس موشگافی اور معنی آفرینی سے بہت سارے مسلمانوں کو کافر و مشرک اور بے دین کہلائے جانے سے بچا لیا۔ مگر کیا کیا جائے کہ یہاں سابقہ ہی "ایسے احسان فراموشوں" سے پڑا ہے کہ وہ ان علماء نے حق کا شکر یہ تو کیا ادا کرتے الٹے "ناکفری" پر آمادہ ہوکر ان کو کفر کے فتوؤں سے نوازنے لگے ؎

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزہ تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

اپنا کلمہ پڑھوانے کی بحث

آٹھواں اعتراض معترضین کا ایک اعتراض حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی علیہ الرحمہ پر یہ ہے کہ آپ اپنے مُریدوں سے اپنا کلمہ پڑھواتے تھے۔ جناب مشتاق نے کتاب "خون کے آنسو" میں اس اعتراض کو ان الفاظ میں متعدد جگہ دُہرایا ہے۔

(۱) خود تھانوی صاحب بزعم خویش اپنے مرید سے لا الٰہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ پڑھواتے تھے (خون کے آنسو ص۸۱)

(۲) مولانا تھانوی دیوبندیوں کے مادر زاد ولی تھے۔ پھر تدریجاً مرتبۂ نبوت پر پہنچے۔ یہاں تک کہ اپنے مُرید سے اپنی نبوت و رسالت کا کلمہ پڑھواتے تھے۔ (ص۱۱۴)

(۳) یہی ہے نخوت و غرور پندار و جہل مرکب کی وہ مسند جس پر تھانوی صاحب بیٹھ کر اپنے مرید سے لا الٰہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ کا کلمہ پڑھواتے تھے۔ (ص۱۲۳)

(۴) انا رسول و انا نبی اللہ کی دعوت دینے لگے۔

(۵) متبنّی و مسیلمہ کذاب (جھوٹی نبوت کے دعویدار) کے پیرو کو متبع سُنت کہنا کہاں تک درست ہے۔ (ص۱۲۳)

(۶) گویا کھلے بندوں مولانا تھانوی نے اپنی نبوت و رسالت کا اقرار کیا۔ (ص ۱۳۲)

(۷) اس پیر پرستی اور مرید کی بے جا نیاز مندی نے مولانا تھانوی کا دماغ اتنا اونچا کر دیا تھا کہ لا الٰہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ پڑھواتے اور اس پر اپنی رضامندی کی مُہر ثبت کرتے۔ (خون کے آنسو ص ۱۵)

یہ ہیں اس اعتراض کے سلسلہ میں سات اقتباسات جو صرف ایک کتاب میں سات بار دہرائے گئے ہیں۔

جواب حضرت تھانوی پر اپنا کلمہ پڑھوانے کا جو الزام لگایا گیا ہے اس کا جواب تو ہم بعد میں دیں گے فی الحال اُن "فتویٰ بازوں" کی خدمت میں ان دو حکایتوں پر فتوے طلب کرتے ہیں۔

پہلی حکایت ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں (خواجہ بختیار کاکی خلیفہ خواجہ اجمیری) اور بہت سے اہل صفا شیخ معین الدین" کی خدمت میں حاضر تھے۔ اسی اثناء میں ایک شخص باہر سے آیا اور خواجہ صاحب کے قدموں میں سر رکھ دیا اور عرض کی کہ میں آپ کی خدمت میں مرید ہونے کے واسطے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا تو کلمہ کس طرح پڑھتا ہے؟ اس نے کہا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ آپ نے فرمایا یوں کہو کہ لا الٰہ الا اللہ چشتی رسول اللہ۔ اس نے اسی طرح کہا اور خواجہ صاحب نے اُسے بیعت کر لیا اور خلعت دی۔" (فوائد السالکین ص ۱۸، ۱۹ ملفوظات خواجہ اجمیریؒ)۔

دُوسری حکایت

(حضرت چراغ دہلوی) نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک مرتبہ کوئی شخص شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور عرض کی کہ میں بیعت کی نیت سے آیا ہوں، اگر قبول فرمائیں۔ فرمایا مجھے منظور ہے۔ لیکن جو کچھ میں کہوں گا اُس پر عمل کرنا ہو گا۔ عرض کی بسر و چشم۔ پُوچھا کلمہ کس طرح پڑھتے ہو؟ عرض کی لا الٰہ الااللہ محمد رسول اللہ۔ شبلی علیہ الرحمتہ نے فرمایا اس طرح کہو لا الٰہ الا اللہ شبلی رسول اللہ مرید درست اعتقاد تھا اس نے فوراً اسی طرح کہہ دیا۔ (مفتاح العاشقین صہ۳ ملفوظات حضرت چراغ دہلوی)۔

ان حکایتوں پر میرا بھی یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ ؎

ذرا "خون کے آنسو" کو آواز دینا

ان حکایتوں پر اگر "خون کے آنسو" بہانے کا کوئی مُشتاق ہو تو اُس کو آواز دیجئے ؎

غزل اُس نے چھیڑی مجھے ساز دینا
ذرا عمر رفتہ کو آواز دینا

اگر کوئی صاحب تنہا فتوے دینے کی ہمت نہ رکھتے ہوں تو اپنے اعوان و مددگار اور انصار و شہدار کو بھی ساتھ لے لیں۔

اولئے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا
صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

ناظرین کرام! زحمت فرما کر مندرجہ بالا حکایتوں کو بار بار ملاحظہ فرمائیں اور

غور کریں کہ ان بزرگان دین نے کس صفائی سے اپنا اپنا کلمہ پڑھوایا اور مُرید نے کس درست اعتقادی اور عقیدت مندی کے ساتھ ان کا کلمہ پڑھ دیا۔ اور ان بزرگان دین نے اس کی "پیر پرستی" اور بیجا "نیاز مندی پر ایسی مسرت ظاہر کی کہ انعام کے طور پر اس کو خلعت و نعمت بھی دی۔ مگر اس پر کسی مشتاق کافر گر نے بھی کوئی فتوے نہیں دیا۔

اب آیئے ذرا حضرت تھانوی علیہ الرحمہ پر اپنا کلمہ پڑھوانے کا جو الزام ہے اس کی حقیقت کا جائزہ لیا جائے تو سُنیئے اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ کسی شخص نے جو حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کا معتقد تھا مُرید نہ تھا اس قسم کا ایک خواب دیکھا جس میں کلمہ پڑھتے وقت اس کی زبان سے بار بار اور بے اختیار جس پر اُسے کراہت بھی ہو رہی تھی مولانا ہی کا نام نکلتا رہا۔ اس نے حضرت مولانا کو اپنا خواب لکھ بھیجا۔ حضرت نے اس خواب کی تعبیر دیتے ہوئے یہ جواب لکھدیا کہ اس واقعہ (خواب) میں تسلی تھی کہ جس طرف تم رجوع کرتے ہو بعونہ تعالےٰ وہ متبع سُنت ہے۔

یہ تھی مختصر حقیقت اس بے بُنیاد الزام کی اب اگر اس کی تفصیل بھی درکار ہو تو وہ بھی (قدرے اختصار کے ساتھ) پیش خدمت ہے۔ پہلے مختصراً اس سالک و معتقد کا خواب ملاحظہ فرمایئے۔

خواب ایک روز کا ذکر ہے کہ نیند نے غلبہ کیا اور سو گیا کچھ عرصہ کے بعد خواب دیکھتا ہوں کہ کلمہ شریف لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّد رَّسُولُ اللّٰهِ" پڑھتا ہوں لیکن محمد رسول اللہ کی جگہ حضور (مولانا اشرف علی صاحب) کا

نام لیتا ہوں۔ اتنے میں دل کے اندر خیال پیدا ہوا کہ مجھ سے غلطی ہوئی کلمہ شریف
پڑھنے میں۔ اس کو صحیح پڑھنا چاہیئے۔ اس خیال سے دوبارہ کلمہ پڑھتا ہوں دل
پر تو یہ ہے کہ صحیح پڑھا جائے لیکن زبان سے بیساختہ بجائے رسول اللہ کے نام
کے اشرف علی نکل جاتا ہے حالانکہ مجھ کو اس بات کا علم ہے کہ اس طرح درست
نہیں لیکن بے اختیار زبان سے یہی کلمہ نکلتا ہے۔ دو تین بار جب یہی صورت
ہوئی تو حضور (مولانا اشرف علی صاحب) کو اپنے سامنے دیکھتا ہوں۔ اتنے میں
بندہ خواب سے بیدار ہو گیا۔ حالت بیداری میں کلمہ شریف کی غلطی پر جب خیال
آیا تو اس بات کا ارادہ ہوا کہ اس خیال کو دل سے دور کیا جائے تو بندہ بیٹھ
گیا اور پھر دوسری کروٹ لے کر کلمہ شریف کی غلطی کے تدارک میں رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتا ہوں پھر بھی یہ کہتا ہوں اَللّٰھُمَّ
صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا وَھُوَ لَنَا اشرف علی" حالانکہ اب میں
بیدار ہوں۔ خواب نہیں۔ لیکن بے اختیار ہوں، مجبور ہوں، زبان
قابو میں نہیں " (خواب ختم)

اس خواب کی تعبیر اور اس خط کا جواب جو کچھ حضرت مولانا نے تحریر
فرمایا تھا وہ اوپر نقل ہو چکا " کہ اس واقعہ (خواب) میں تسلی تھی کہ جس کی طرف
تم رجوع کرتے ہو بعونہ تعالیٰ وہ متبع سنت ہے (یہ خواب اور اسکا جواب
"خون کے آنسو" ص۱۱۱ تا ص۱۱۶ پر ملاحظہ فرمائیں)۔

فاضل مشتاق کی مشاقی ملاحظہ ہو کہ انہوں نے اپنی کتاب میں صرف
ایک جگہ اس طرح ذکر فرمایا ہے کہ یہ واقعہ خواب سے تعلق رکھتا ہے

اور یہ کہ مولانا نے کسی سے اپنا کلمہ نہیں پڑھوایا بلکہ ایک مُرید نے حالتِ خواب اور عالم بے خودی و بے اختیاری میں از خود ان الفاظ میں کلمہ پڑھا ہے جس کو وہ خود بھی غلط سمجھتا ہے مگر خواب میں وہ اس کے درست ادا کرنے پر قادر نہیں ہے۔ مگر انہوں نے ساری کتاب میں یہی رونا رویا ہے کہ وہ اپنا کلمہ پڑھواتے تھے جیسا کہ اوپر ہم نے ان کے سات اقتباسات نقل کئے ہیں ان میں سے کسی اقتباس میں بھی خواب کا ذکر تو کیا ہوتا اس کی طرف اشارہ بھی نہیں ہے۔

اب ناظرین خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ عالم بیداری اور ہوش و حواس کی حالت میں اگر کوئی بزرگ اپنا کلمہ اپنی زبان سے خود پڑھیں اور مرید سے خود پڑھوائیں (جیسا کہ فوائدالسالکین اور مفتاح العاشقین سے نقل شدہ حکایتوں میں ہے) تو ان کے خلاف کوئی بھی آواز سُنائی نہ دے اور مسندِ جہالت پر بیٹھ کر فتوے دینے والوں کی زبانیں ایسی گنگ ہو جائیں گویا ان کے مُنہ میں گھنگھنیاں بھری ہیں (یہ محاورہ پرانے زمانہ کا ہے اب تو گنگ ہونا اس وجہ سے ہو گا کہ انکے مُنہ میں "مرغ مسلم" ہوتا ہو گا) مگر حضرت تھانویؒ پر بے بُنیاد الزام لگانے کے لیے انکے "چھوٹے حضرت" اور "بڑے حضرت" سب ہی حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنے لگیں اور کفر کے فتوے لکھ لکھ کر اپنی دواتیں خالی کر دیں اور قلم توڑ دیں۔ کوئی بتائے تو یہ کونسا انصاف ہے؟

؎

وہ دُنیا تھی جہاں تم بند کرتے تھے زباں میری
یہ محشر ہے یہاں سُننا پڑے گی داستاں میری

ناظرین باتمکین نے حضرت شبلی اور خواجہ اجمیری کی حکایتوں سے ہی اندازہ کر لیا ہوگا کہ معترضین کے اس اعتراض میں کتنا وزن ہے اور یہ بھی سمجھ لیا ہوگا کہ اس اعتراض کی زد (اگر واقعی کوئی زد ہے بھی) تو حضرت تھانوی سے زیادہ ان بزرگان دین پر پڑتی ہے کیونکہ حضرت تھانوی کا جہاں تک معاملہ ہے انہوں نے کسی مرید سے خواب میں بھی اپنا کلمہ پڑھنے کی تلقین نہیں کی برخلاف ان بزرگان دین کے جنہوں نے جیتے جاگتے ہوش وحواس میں اپنے کلمہ کے لیے خود تلقین فرمائی بلکہ پڑھنے پر انعام بھی دیا اس لیے حضرت تھانوی کی کوئی صفائی پیش کرنے کے بجائے ہم ان بزرگوں کے پاک دامنوں کو ان دھبوں سے پاک کرنا ضروری سمجھتے ہیں جو "خون کے آنسو" سے ناپاک ونجس اور بدنما ہو گئے ہیں تو سنیئے ان حکایتوں ہی میں یہ بھی مذکور ہے کہ ان بزرگوں نے اپنا کلمہ صرف اس لیے پڑھوایا تھا کہ ان کو اپنے مرید کی درست اعتقادی اور طلب صادق کا امتحان منظور تھا (یا بقول جناب مشتاق مرید کی پیر پرستی اور اُس کی بیجا نیازمندی کی آزمائش مقصود تھی)

چنانچہ حضرت شبلی کی حکایت میں آگے یہ بھی مذکور ہے کہ آپ (حضرت شبلی) نے فرمایا اسے عزیز! میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ادنیٰ چاکر (غلام) ہوں آنحضرت ہی رسول خدا ہیں میں تو تیرا اعتقاد آزمانا چاہتا تھا۔

(مفتاح العاشقین ص۳)

اور اسی قسم کی توجیہہ حضرت خواجہ اجمیری علیہ الرحمہ کی حکایت میں بھی کی گئی ہے۔ (فوائد السالکین ص ۱۹)

اس توجیہ و حقیقت کے معلوم ہو جانے کے بعد یہ تو ظاہر ہو گیا کہ ان حضرت نے چونکہ واقعتاً اپنا کلمہ نہیں پڑھوایا تھا اس لیے ان کو کافر کہنے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا البتہ یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ کیا امتحان کے لیے اپنا کلمہ پڑھوانا (جس کو بظاہر کفر ہی کہا جا سکتا ہے) صحیح بھی تھا یا نہیں؟ اور اس کو شرعاً کس طرح جائز و درست مان لیا جائے۔

اس سوال کا جواب جناب مشتاق اور ان کے ساتھیوں کے ذمہ ضروری ہے مگر شرط یہی ہے کہ وہ جواب کسی دیوبندی عالم سے سُنا ہوا یا کسی اہلِ حق کی کتاب سے استفادہ کیا ہوا نہ ہو یعنی بالکل خالص بریلوی جواب کی ضرورت ہے ورنہ اہلِ حق نے اس کا بھی جواب دیا ہے جس کو شوق ہو حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کی مشہور تصنیف "السنۃ الجلیہ" کا مطالعہ کرے۔

الحمدللہ کہ اب ان بزرگانِ دین کا دامن بھی "خون کے آنسو" کے ناپاک چھینٹوں سے پاک ہو گیا اور انہی حضرات کے طفیل میں حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کی حیثیت بھی اچھی طرح واضح ہو گئی کہ جہاں تک آپ پر اپنا کلمہ پڑھوانے کے الزام کا تعلق ہے وہ بالکل سفید جھوٹ اور خالص افتراء ہے۔ ہاں اس سلسلہ میں اگر کوئی الزام آ سکتا تھا تو اس مُرید پر آ سکتا تھا جس نے آپ کا کلمہ پڑھا تھا۔

مگر یہ بھی اسی صورت میں جب کہ یہ واقعہ خواب سے تعلق نہ رکھتا ہوتا اور اب اس صورت میں کہ یہ واقعہ خواب کا ہے (جس میں اُس نے اپنی مجبوری و بے اختیاری کا ذکر بھی بار بار کیا ہے) اس مُرید پر بھی

کوئی شرعی حکم اور فتوے نہیں لگتا اور اگر یہ " دین مجددی " کے پیر دادر " بڑے حضرت " کے " اُمتی " خواب پر بھی شرعی حکم لگاتے ہوں تو فتوے سے پہلے صاف صاف یہ اعلان کر دیں کہ ہم " دین محمدی " کی اس حدیث پر ایمان نہیں رکھتے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ تین (قسم کے) آدمیوں پر سے شرعی احکام کی پابندی اٹھالی گئی ہے۔ ایک سونے والے سے تا وقتیکہ وہ جاگ نہ جائے دوسرے بچے سے تا وقتیکہ وہ بالغ نہ ہو جائے اور تیسرے دیوانے سے تا وقتیکہ وہ ہوش میں نہ آجائے (غالباً اسی حدیث کے پیش نظر " علماء حق " حضرات اکابر دیوبند " فاضل بریلوی " کی تکفیر نہیں فرماتے تھے۔)

ظاہر ہے کہ اس حدیث پر نظر رکھنے کے بعد کوئی بھی صاحب دین و دیانت مسلمان خواب کی بناء پر کسی مسلمان کو بھی کافر و مرتد نہ قرار دے گا تو پھر حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ جیسے محتاط عالم کس طرح اس مرید کو کافر و مرتد اور گردن زدنی فرما دیتے۔ دین محمدی میں رویائے صالحہ (سچے اور اچھے خوابوں) کا جو مقام ہے وہ اس سے واقف تھے انہوں نے اس خواب کے مطابق اس کی تعبیر دی لیکن جن حضرات کا ذوق خواب کے سلسلہ میں یہ ہو کہ خواب کے بارے میں یوں وہ فقرے بازی فرمائیں۔

" کچھ عجیب اتفاق ہے " اکابر علمائے دیوبند کے جتنے بھی فضائل اور مناقب ہیں وہ سب خواب ہی کے راستہ آتے ہیں۔

" زخون کے آنسو " ص ۲۱۴

ان سے دین کے شرعی حکم یا کسی سنجیدہ رائے کی توقع رکھنا ہی عبث اور لغو ہے اس لیے اس موقعہ پر تو ہم یہی کہہ سکتے ہیں ع

"سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجاست

خواب کی بات پر خلیفہ ہارون الرشید کی ملکہ زبیدہ کا مشہور خواب یاد آگیا جس کی تعبیر آج بھی نہر زبیدہ کی شکل میں موجود ہے چونکہ وہ خواب اور اس کی تعبیر دونوں ہی مشہور ہیں اس لیے ان کا ذکر غیر ضروری ہے۔ مگر یہ کہنا ہی پڑتا ہے کہ اگر ملکہ زبیدہ کی بدقسمتی سے اس وقت بھی ایسے "علامے" اور فضول قسم کے "فاضل" اور "فتوے باز" موجود ہوتے تو یقیناً یہ لوگ اس بے چاری کے لیے "زنا" کی شرعی حد (سزا) تجویز فرما کر اس کو سنگسار (پتھراؤ) کرا دیتے مگر وہ تو کہئے کہ زبیدہ قسمت کی دھنی تھی کہ "ابن سیرین" جیسے عمدہ معبر (خواب کی تعبیر بتانے والے) اس کو مل گئے جنہوں نے حدِ "زنا" جاری کرانے کے بجائے یہ تعبیر دی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ سے کوئی ایسا کام کرائے گا جس سے خدا کی ساری مخلوق فائدہ اٹھائے گی۔ چنانچہ ان کی تعبیر صحیح ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ملکہ زبیدہ کے ہاتھوں "نہر زبیدہ" جیسی شاندار یادگار قائم کرادی جس سے خدا کی بے شمار مخلوق آج بھی فائدہ اٹھا رہی ہے۔

اس خواب کا ذکر ہم نے یوں ہی ضمناً کہہ دیا کہ ناظرین اس کا کچھ اندازہ فرماسکیں کہ خواب کی دنیا ایک بالکل الگ دنیا ہے جہاں شریعت

کے احکام قطعاً لاگو نہیں ہوتے مگر دین مجددی (بڑے حضرت کے دین و مذہب) کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے۔ وہاں تو کفر کا فتویٰ داغنے سے مطلب ہے وہاں اس سے غرض نہیں کہ وہ بات خواب کی ہے یا بیداری کی ؛ کہنے والے کا وہ مطلب ہے یا نہیں ہے ؛ ان کو تو "کافر" بنا بنا کر اپنے کارخانہ کو شہرت دینی ہے اور کچھ نہیں۔ اور یہ شاید اسی لیے ہے کہ اسی سے ان کا پیٹ چلتا ہے۔

بلا تبصرہ

پچھلی سطروں میں جناب مشتاق نے علمائے دیوبند سے متعلق خوابوں پر جو تبصرہ فرمایا تھا کہ کچھ عجیب اتفاق ہے کہ اکابر علمائے دیوبند کے جتنے بھی فضائل و مناقب ہیں وہ سب خواب ہی کے راستے آتے ہیں! اس فقرہ کے انداز نے مجبور کیا کہ ہم بھی جسارت کر کے دریافت کریں کہ "خون کے آنسو" بہانے والوں کا خون کن کن راستوں سے آتا ہے۔

خواب کے ذکر پر ہم کو بھی اعلیٰحضرت سے متعلق چند خواب یاد آ گئے۔ ناظرین کی تفریح طبع کے لیے ہم ان کو یہاں نقل کرتے ہیں :-

(۱) ایک عورت عالم خواب میں مدینہ طیبہ حاضر ہوئی۔ وہاں اس نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم بریلی شریف مولانا احمد رضا خان صاحب کی مہمانی میں تین روز کے لیے تشریف لے گئے ہیں۔ جب سرکار واپس

ہُوئے تو اس نے مُدعا عرض کیا۔ ارشاد کریم فرمایا کہ بریلی جاکر احمد رضا کے مزار پر جا کر عرض حاجت کر۔ آنکھ کُھلی تو بیداری میں بریلی شریف حاضری دی اور منزل مقصود کو پہنچی۔

(منقول از مقامع الحدید)

(۲) ایک شخص عرصہ دراز سے بیعت کا ارادہ رکھتا تھا مگر ہوتا نہ تھا ایک روز اُس نے خواب دیکھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ بریلی جاکر ہمارے دوست احمد رضا سے بیعت کر لو پھر وہ بیعت ہو گیا۔

(ماخوذ از اشتہار مطبوعہ رشید المطابع بریلی)

(۳) جب ان کا (یعنی مولوی برکات احمد صاحب کا) انتقال ہُوا اور مَیں دفن کے وقت قبر میں اُترا تو مجھے بلا مبالغہ وہ خوشبو محسوس ہُوئی جو پہلی بار روضۂ انور کے قریب پائی تھی۔ (اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ) ان (مولوی برکات احمد صاحب) کے انتقال کے بعد مولوی سیّد احمد صاحب مرحوم خواب میں زیارت اقدس حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہُوئے کہ گھوڑے پر تشریف لیے جاتے ہیں۔ عرض کی یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حضرت کہاں تشریف لیے جاتے ہیں: فرمایا برکات احمد کے جنازہ کی نماز پڑھنے (اعلحضرت فرماتے ہیں) الحمد للہ یہ جنازۂ مبارک مَیں نے پڑھایا۔

(ملفوظات اعلحضرت جلد دوم ص۲۵)

بھلا اب تک کسی نے کاہے کو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی امامت کا خواب دیکھا ہو گا۔ مگر یہ بڑے حضرت "فاضل بریلی" ہیں جنہوں نے سچ مچ وہ نماز جنازہ پڑھائی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقتدی کی صف میں تشریف فرما تھے۔ پھر آپ کس شان سے اس پر الحمد للہ بھی فرما رہے ہیں۔ ناقل ملفوظات نے یہ کچھ نہ لکھا کہ اعلحضرت نے "الحمد للہ" فرماتے ہوئے اپنی مونچھ پر ہاتھ بھی پھیرا تھا یا نہیں؟ اعلحضرت کی شان خانیت کی تصویر کشی اس کے بغیر نامکمل رہ گئی۔ ہمارا خیال ہے کہ اس وقت خان والا شان نے مونچھوں پر ہاتھ ضرور پھیرا ہو گا۔

حصہ دوم

دین محمدی اور دین مُجدّدی کا موازنہ

یعنی

عُلمائے بریلی اپنے عقائد و مسائل کے آئینہ میں

گذشتہ صفحات سے ناظرین کو اکابر علمائے دیوبند کی بے گناہی کا ثبوت ضرور فراہم ہو گیا ہو گا لیکن یہ کھٹک ابھی باقی رہ گئی ہو گی کہ ان علمائے حق کا آخر وہ کیا قصور اور کون سا جرم ہے کہ "بڑے حضرت" اور ان کے پیروؤں کو ان حضرات سے ایسی دشمنی ہو گئی جو کسی طرح ختم ہونے کو نہیں آتی تو سُنئے۔

ان علمائے حق کا جرم اور قصور صرف یہ ہے کہ ان حضرات نے اپنے اپنے وقت میں اللہ تعالےٰ کے مبارک نام اور اسلام کے کلمۂ مبارکہ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان والا شان کو سرزمین ہند میں بلند رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ جہاں تلوار کی ضرورت ہوئی وہاں تلوار سنبھالی اور سر دھڑ کی بازی لگا کر میدانِ جہاد میں کود پڑے اور جہاں

قلمی و لسانی جہاد کی ضرورت ہوئی وہاں ان بزرگوں نے کلماتِ حق نوکِ زبان اور نوکِ قلم سے ادا کر کے اپنا فرض منصبی انجام دیا۔

ملک بھر میں جتنی مخالف اسلام جماعتیں مصروف کار تھیں مردانہ وار اُن کا مقابلہ کیا۔ عیسائیوں نے جب اسلام پر آ کر حملے کئے آریہ سماجوں نے جب شدھی تحریک شروع کی۔ قادیان میں جب خود رو نبی مرزا غلام احمد نے جنم لیا۔ علامہ مشرقی کی خاکسار تحریک جب اُٹھی ہر وقت یہی عُلمائے حق اکابر دیوبند حق کو حق ظاہر کرنے اور باطل کو باطل بنانے کے لیے میدان میں سامنے آئے۔

کاش کوئی ان "علمائے بدعت" اور "دین مجددی" کے پیروؤں سے دریافت کرتا کہ فرمائیے آپ حضرات اسلام کے ان آڑے اور نازک وقتوں میں کہاں تھے؟ آپ نے اپنا تبلیغ و اشاعت کا حق کس طرح ادا کیا؟ اور خیر یہ تو سب کام بڑے "پتہ ماری" کے کام ہیں جس کے آپ مرد بھی نہیں اس لیے ان کو چھوڑیئے مگر ان کے علاوہ بھی کوئی علمی اور اصلاحی کام آپ حضرات نے انجام دیا ہو تو ذرا اس کی کوئی فہرست پیش فرما دیجئے۔ لیکن کہاں؛ اس سلسلہ میں تو آپ کی جماعت بالکل ہی نادار ہے۔

جیسا کہ اس کا اندازہ مدیر پاسبان کی اس اپیل سے ہوتا ہے (جو پاسبان بابت ۵۵ء یا ۵۶ء کے کسی شمارہ میں شائع ہوئی تھی) جس میں مدیر پاسبان نے ایک "دارالتصنیف" کے قیام کی ضرورت ظاہر فرماتے ہوئے یہ حقیقت بھی (بلا ارادہ) تحریر فرما دی تھی کہ "مدارس عربیہ"

میں جو درسی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ان کی شرحیں اور اُن کے حاشیے اکثر و بیشتر بلکہ قریب قریب تمام تر دیوبندیوں ہی کے لکھے ہوئے ہیں جن کو پڑھ کر ہمارا (بریلوی) طالب علم اپنے آپ کو بالکل "تہی مایہ" نادار اور خالی ہاتھ سمجھتے ہوئے "احساسِ کمتری" میں مبتلا ہو جاتا ہے اس لیے ضرورت ہے کہ ایک دار التصنیف قائم کر کے تمام درسی کتابوں کے حاشیے اور ان کی شرحیں از سر نو اپنے علماء سے لکھوائی جائیں۔

مگر افسوس کہ مدیر پاسبان کی یہ اپیل "صدا بصحرا" ثابت ہوئی اور اس کے نتیجہ میں کوئی دار التصنیف قائم ہونا تو درکنار اس سلسلہ میں کوئی دو ورق کی پیش کش بھی سامنے نہ آئی اور اس اپیل کی اشاعت سے علمائے بدعت کی "تہی دستی" اور "بے مائیگی" کے اعتراف کا جو ڈھنڈورہ پٹ گیا وہ الگ کہ رہا سہا بھرم بھی رخصت ہو گیا۔

غرضیکہ تعلیم و تبلیغ، ارشاد و اصلاح، تصنیف و تالیف اور بحث و مباحثہ ہر میدان میں یہی علمائے حق سرگرم کار رہے اور اپنے روشن و یادگار کارناموں کی وجہ سے عزت و شہرت کی دولت کے مالک بن گئے۔

اعلیحضرت اور اُن کے چیلوں سے علمائے حق کی یہ مقبولیت اور شہرت جب دیکھی نہ گئی تو انہوں نے علمائے حق کے خلاف بہتان طرازی اور افترا پردازی کا ایک ایسا سلسلہ شروع کر دیا جو کسی طرح ختم ہونیکو نہیں آتا۔ "بڑے حضرت" مدت ہوئی ختم ہو گئے اور "کافر سازی" کا جو سلسلہ وہ

اپنی زندگی میں قائم فرما گئے تھے وہ بدستور جاری ہے اور کیسے جاری نہ رہے جب کہ خود "بڑے حضرت" ہی اس کی بڑی تاکیدی قسم کی وصیت بھی فرما گئے ہیں۔

(ملاحظہ ہو وصایا شریف اعلیٰحضرت)

" رضا حسین اور حسنین اور تم سب محبت و اخلاق سے رہو۔ اور حتی الامکان شریعت نہ چھوڑو اور میرا دین و مذہب جو میری کتب سے واضح ہے اس پر قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے"۔ اللہ توفیق دے۔ (وصایا شریف صـ ۹)

ناظرین سے درخواست ہے کہ ذرا ان مجدد صاحب کی وصیت کے الفاظ پر غور فرمائیں کہ شریعت محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم تو (نعوذ باللہ) ایک سرسری اور معمولی چیز ہے جسکے لیے تو محض حتی الامکان (امکان بھر) کا لفظ لائے اور اپنے دین مجددی اور اپنی کتابوں کا کیا اہتمام کیا ہے کہ اسکے لیے ارشاد فرمایا کہ اس پر مضبوطی سے قائم رہنا۔ پھر اسی پر بس نہیں۔ فرمایا بلکہ مزید تاکید بھی یوں فرمادی کہ یہ بات " ہر فرض سے اہم فرض ہے " یعنی اللہ اور رسول پر ایمان لانا نماز روزہ وغیرہ ادا کرنا اتنا ضروری نہیں ہے جتنا مجدد مائتہ حاضرہ " کے " دین مجددی " اور ان کی کافرساز کتابوں پر قائم (ڈٹے) رہنا ضروری ہے۔ (نعوذ باللہ)

اصل بات یہ ہے کہ ان " بڑے حضرت " کو حضرات علمائے حق کے مقابلہ میں خودستائی اور " انانیت " کی جو بری عادت پڑ گئی تھی وہ تن تنہا

ایسی راسخ اور پختہ ہوگئی تھی کہ دین و شریعت اور "خدا اور رسول" کے مقابلہ میں بھی نہ جا سکی اور یہ بڑے حضرت بالکل " انا ربکم الاعلےٰ " والے انداز میں یوں گویا ہوئے کہ میرا دین و مذہب (یعنی دین محمدی نہیں بلکہ دین مجددی) جو میری کتب سے (یعنی قرآن و حدیث[1] سے نہیں) ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے " اس موقعہ پر ایک نہایت اہم سوال ہمارے سامنے یہ آتا ہے کہ

کیا اعلیٰ حضرت کسی دوسرے دین کے بانی و داعی ہیں؟

اوپر جو وصیت نقل ہوئی اس سے یہ بات بالکل صاف طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ ان بڑے حضرت نے اپنی " تجدید " کے پردہ میں دراصل کوئی نیا دین و مذہب ایجاد فرمایا تھا جس میں کچھ نئے نئے عقائد اور نرالے نرالے مسائل کے علاوہ سب سے بنیادی بات یہ تھی کہ قرآن و حدیث کی جگہ خود اعلیحضرت کی کتابوں پر قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض تصور کیا جائے۔ چنانچہ اس واضح اور روشن حقیقت کو مزید آشکارا کرنے کے لیے اس دین مجددی کی تعلیمات کا کچھ نمونہ پیش کرنا چاہتے ہیں مگر اس سے پہلے ہم اپنے مذکورہ بالا دعوے کے ثبوت میں اعلےٰ حضرت کی ایک تحریری دستاویز بھی پیش کرنا چاہتے ہیں۔

---

[1] بلکہ محمد محبوب صاحب اشرفی نے تو صاف صاف لکھ دیا کہ قرآن مجید کا رکھنا اور پڑھنا عین اسلام نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت کے دعویٰ نبوت پران کی تحریری دستاویز

فاضل بریلی اپنے فتاویٰ رضویہ کے خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں :-

"تجد فیھا مرئس نفائس کانھن الیاقوت والمرجان لم یطمثھن قبلی انس وجان"

(اے ناظر! تم اس مجموعہ فتاویٰ میں بہت سی صاف ستھری دلہنیں (اچھوتی تحقیقات) پاؤ گے گویا وہ یاقوت و مرجان ہیں جن کو مجھ سے پہلے کسی انسان یا جن نے ہاتھ تک نہیں لگایا ہے (وہ تحقیقات بالکل کنواری دلہنوں کی طرح اچھوتی ہیں)

غور فرمائیے کیا درپردہ یہ دعویٰ نبوت نہیں ہے یعنی یہ تحقیقات وہ ہونگی جو فاضل بریلی کو بغیر کسی انسانی وبشری واسطہ کے حاصل ہوئی ہیں -

علمائے دیوبند پر تنقیص رسالت اور توہین کا الزام لگانے والے کہاں گئے؟ کیا فاضل بریلی نے اس بلند بانگ دعوے والی ناپاک عبارت میں قرآن کریم کے الفاظ شامل کرکے قرآن کریم کی تنقیص نہیں کی اور اپنی تحقیقات کو بالکل اچھوتی کہہ کر حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا انکار نہیں کیا اور اپنے علم کو سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے علم سے وسیع نہیں ثابت کردیا اور کیا اس میں درپردہ اپنے لیے وحی و نبوت کا دعوےٰ نہیں کر دیا؟ کفر کی مشین کو اس وقت کیا ہو گیا اس کا دہانہ کیوں بند ہو گیا؟ علمائے دیوبند پر بے جا اعتراض اور غلط غلط بہتان بندی کرنے والے اس کا جواب دیں؟ فاضل بریلی کی یہ تحریری دستاویز ہے جو ان کے نئے مذہب کی بنیادی اینٹ ہے اسی پر انہوں نے اپنے لے پالک مذہب کی عمارت تعمیر کی ہے -

"اعلیٰحضرت" کے فتاویٰ اور اس کے خطبہ کا ذکر آگیا تو اسی سلسلہ میں اُن کی ایک زبردست خیانت و احسان فراموشی کا ذکر بھی کر دیا جائے۔

فاضل بریلی کی خیانت و احسان فراموشی :

فاضل بریلی نے اپنے فتاویٰ کے شروع میں اپنی سند فقہ بھی درج فرمائی ہے مگر لطف یہ ہے کہ اس کا کوئی استاد ہندوستانی علماء میں سے نہیں ہے کیا کوئی رضاخانی یہ ثابت کر سکتا ہے کہ انہوں نے از اوّل تا آخر ساری تعلیم عرب ہی میں حاصل کی اور عرب علماء سے ہی انہوں نے باقاعدہ تحصیل علم کی ہے ؟

اگر یہ بات ثابت نہیں کی جاسکتی اور یقیناً ثابت نہ کی جاسکی گی تو پھر اس کا جواب دیا جائے کہ "فاضل بریلی" نے اپنے ہندوستانی اساتذہ کا نام سند میں کیوں "گول" کیا اور اس طرح ان کی احسان فراموشی فرمائی یا نہیں۔

ہم نے مانا فاضل بریلی کو ان عرب علماء سے بھی اجازت و سند شاید مل گئی ہو مگر یہ تو شرعاً اجازت لے جاتی ہے اصل سند تو وہی ہوتی ہے جو ان اساتذہ کی ہو جن سے باقاعدہ علم حاصل کیا ہو لہٰذا فاضل بریلی نے اپنی ہندوستانی اساتذہ کا نام سند میں کیوں ذکر نہیں کیا ؟ اس موقع پر یہ شبہ اور سوال ہو سکتا ہے کہ کیا "اعلیٰحضرت" کے ہندوستانی استاذوں میں کچھ حضرات دیوبندی یا وہابی قسم کے تو نہیں تھے جس بنا پر آپ نے ان کا تذکرہ موجب خطرہ سمجھ کر "گول" کر دیا ہو ؟ ۔

اب ہم دین مجددی کے عقائد و مسائل پیش کرتے ہیں ۔

(۱) "کن" اولیاء اللہ کی شان ہے (۲) اولیاء اللہ جس کو "کن" کہتے ہیں فوراً ہو جاتی ہے (یعنی دین محمدی میں قرآنی تعلیم تو یہ ہے کہ کن اللہ کی شان ہے۔ مگر "دین مجددی" میں رضاخانی تعلیم یہ ہے کہ اولیاء جس چیز کو کن کہتے ہیں فوراً ہو جاتی ہے) (۳) اولیاء اللہ مشکلوں کے وقت تشریف لاکر دستگیری فرماتے ہیں (۴) حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم اللہ عز و جل کے نائب مطلق ہیں ۔ تمام جہان حضور کے تحت تصرف کر دیا گیا ہے۔ جسے جو چاہیں دیں جس سے جو چاہیں واپس لے لیں (۵) تمام زمین ان کی ملک ہے (۶) تمام جنت اُنکی جاگیر ہے۔ جنت و نار کی کنجیاں دستِ اقدس میں دیدی گئی ہیں (یہ عقیدہ دراصل عقیدۂ شفاعت کا انکار ہے کیونکہ دوزخ و جنت میں داخل کرنا جب آپ ہی کے اختیار میں ہے اللہ تعالےٰ سے کوئی مطلب ہی نہیں تو پھر آپ شفاعت کس کی بارگاہ میں فرمائینگے ۔ یعنی حقیقتاً مسئلہ شفاعت کے خود منکر ہیں مگر بدنام علمائے حق کو کرتے ہیں اسی کو کہتے ہیں اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے) (۷) احکام شریعیہ (شرعی احکام) حضور کے قبضہ میں کر دیئے گئے ہیں جس پر جو چاہیں حرام فرما دیں اور جس کے لیے جو چاہیں حلال کر دیں اور جو فرض چاہیں فرض معاف فرما دیں (اور دین محمدی میں تو قرآنی تعلیم یہ ہے کہ اے نبی ! آپ اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو اپنے لیے کیوں حرام فرماتے ہیں ؟ یعنی اللہ تعالےٰ تو آنحضرتؐ کو کسی حلال چیز کو حرام فرمانے سے منع فرما رہے ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یا تو اللہ تعالےٰ کو آنحضرتؐ کے اختیارات کا علم ہی نہیں ہے یا

بڑے حضرت (معاذ اللہ) سے بھی بڑے ہیں کہ خدا نے تو آپ کو اختیار نہیں دیا مگر بڑے حضرت ہیں کہ اپنی طرف سے حضور کو یہ سب اختیارات مرحمت فرمائے دے رہے ہیں (۸) حضور کو ذرہ ذرہ کا علم ہے۔ دلوں کے خطرہ سے آگاہ ہیں (۹) ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں (یہ عقیدہ کفر و شرک ہے یا نہیں! اس پر تو کوئی مفتی صاحب فتوے دے سکتے ہیں۔ ہم تو صرف یہ کہیں گے کہ یہ عقیدہ کس قدر مضحکہ خیز ہے کہ ایک طرف تو یہ علمائے بدعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر بھی مانتے ہیں اور دوسری طرف آپ کی موجودگی اور حضوری میں اپنی آوازیں بھی بلند کرتے ہیں حالانکہ قرآنی تعلیم کی رو سے آپ کے حضور آواز بلند کرنا سخت بے ادبی اور بڑی گستاخی ہے۔ (۱۰) اولیاء اللہ عالم الغیب ہیں اللہ تعالے نے غیب دانی ان کے اختیار میں دیدی ہے وہ جب چاہیں غیب کی بات معلوم کر سکتے ہیں۔ (۱۱) خدا تعالے کافروں سے بخشنے پر قادر نہیں ہے جو یہ کہے کہ خدا کافروں کے بخشنے پر قادر ہے۔ وہ کافر ہے۔ چنانچہ حضرت گنگوہیؒ پر کفر کا فتوے اسی جرم میں لگایا گیا جیسا کہ حصہ اول میں مفصل گزرا)۔

نمونہ کے طور پر دین مجددی کے یہ گیارہ عقیدے پیش کئے گئے (یہ سارے عقیدے بڑے حضرت کی مختلف تصانیف الامن والعلی شرح استمداد وغیرہ میں نیز بہار شریعت میں موجود ہیں۔ ہم نے الجنتہ لاہل السنتہ ص۲۲۵ سے نقل کئے ہیں) ان عقیدوں پر ہم کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں سمجھتے لیکن ناظرین کو اس حقیقت کی طرف ضرور متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ دیکھئے انسان جب ایک خدا

کا تصور ختم کر کے کسی اور کے لیے بھی صفات خداوندی ماننا شروع کر دیتا ہے تو پھر یہ سلسلہ کسی ایک پہ جا کر رکتا نہیں چنانچہ "دین مجددی" کی اس تصویر میں دیکھ لیجئے کہ خدا تعالیٰ کی مخصوص صفات (عالم الغیب ہونا حاضر و ناظر ہونا صاحب کن ہونا وغیرہ) جب اس کی ذاتِ واحد سے آگے بڑھیں تو پھر وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات پر ختم نہیں ہوگئیں بلکہ اور آگے بڑھ کر دوسرے بزرگوں کے لیے بھی مانی گئیں۔ چنانچہ ان اہلِ بدعت کی طرح انکے بڑے بھائی "اہل رفض" بھی اپنے اماموں کو معصوم اور عالم ماکان وما یکون (عالم الغیب) جانتے اور مانتے ہیں اور پھر ان بزرگوں پر بھی بات ختم نہیں ہوئی بلکہ بڑھتے بڑھتے اعلحضرت کی شان میں یوں داد توحید دی گئی اور خدا تعالیٰ کی صفات کو اسطرح اعلحضرت میں تسلیم کیا گیا ہے کہ فرماتے ہیں :-

گر مصیبت میں مدد چاہے کوئی آقا سے
دفع فریادیں بلا حضرتِ اعلیٰ حضرت
کون دیتا ہے مجھے کس نے دیا
جو دیا تم نے دیا احمد رضا
در سے تیرے کب کوئی خالی پھرا
جس نے جو مانگا ملا احمد رضا
تیری عبدیت میں چہرہ لکھ گیا
منہ اجالا ہو گیا احمد رضا
میری حالت آپ پر سب ہے عیاں
آپ سے کیا ہے چھپا احمد رضا

سُنی مُسلمان کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ "ساقی کوثر" آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہوں گے مگر آپ رافضیوں سے دریافت کریں تو وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو "ساقی کوثر" بتائیں گے اور اگر آپ اُن کے چھوٹے بھائی اہل بدعت سے دریافت فرمائیں تو یہ جواب ملے گا ۔

جب زبانیں سوکھ جائیں پیاس سے
جام کوثر کا پلا احمد رضا

اسی طرح ہر مُسلمان کو معلوم ہے کہ "سیّد دوسرا" آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے ہی عرف عام میں بولا جاتا ہے مگر "بریلی" کا ایک گستاخ شاعر "فاضل بریلی" کو ہی سیّد دوسرا کہتا ہے ؎

سیّدِ دوسرا کی چادر ہے

"بریلی کی کافرساز" اور کفر بارگن مشین نہ جانے کیسی ہے جو ایسے لوگوں پر کُفر کے گولے نہیں برساتی ۔

قبر کے بارے میں ہر سُنی مسلمان یہ بات جانتا ہے کہ وہاں دو فرشتے (منکر نکیر) آکر تین سوالات کرتے ہیں پہلا یہ کہ تیرا رب کون ہے ؟ دُوسرا یہ کہ تیرا دین کیا ہے ؟ اور تیسرا سوال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے متعلق ہوگا کہ آپ کے متعلق تو کیا کہتا ہے ؟ اس عقیدے کو سامنے رکھتے ہوئے اب دینِ مجدّدی کا یہ شعر سُنیئے ۔

نکرین آکے مرقد میں جو پُوچھیں گے تُو کس کا ہے ؎
اُب سے سر جُھکا کر لُوں گا نام احمد رضا خاں کا

یعنی نکیرین کے کسی ایک سوال کے جواب میں "خانصاحب" کا نام نامی لے کر فرشتوں کو گویا مرعوب کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اب یہ بات ضرور صاف نہیں ہوئی کہ خانصاحب کو اپنا رب بتایا جائیگا یا رسول یا کچھ اور؟

اگر اس سے بھی زیادہ "روشن توحید" کا مظاہرہ دیکھنا ہو تو "رسالہ انوار الصوفیہ" بابت جون ۱۹۲۹ء اور بابت اکتوبر ۱۹۳۱ء ملاحظہ فرمائیں۔ اس سے بعض حضرات کے تو چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔ سنئے :-

"علی پور" والے تو کیا بن کے آیا
تو نورِ ازل کی ضیاء بن کے آیا
بظاہر مرصع بباطن مجلّٰے
تو ہم رنگ حرفِ خدا بن کے آیا

مندرجہ بالا اشعار پیر جماعت علی شاہ علی پوری کی شان میں شاید ان کے کسی بندے نے عرض کئے ہیں۔ انہیں پیر صاحب کی شان میں یہ شعر بھی ملاحظہ ہو :-

ترا آستاں ہے وہ آستاں کہ حریف بیت حرام ہے
تری بارگاہ ہے وہ بارگاہ کہ جو قبلہ گاہِ انام ہے

اس شعر میں حریف بیت حرام کا ٹکڑا خاص توجہ کا طالب ہے کیونکہ "حریف" کے معنی "مدمقابل" کے ہوتے ہیں۔ شاعر کا مطلب یہ ہے کہ شاہ جماعت علی شاہ ابرہہ کے مانند ہے اور اُن کا آستاں بھی شاہ ابرہہ کے بنائے ہوئے خانہ کعبہ کی طرح بیت اللہ کا مدِمقابل اور حریف ہے

(شاہ ابرہہ وہ بادشاہ ہے جس نے خانۂ کعبہ کی اہمیت کم کرنے کے لیے اپنے کو خانۂ کعبہ کا مدمقابل قرار دیا تھا اور بیت اللہ کو ڈھانے کے ارادے سے ہاتھی کے ذریعہ چڑھائی کی تھی جس کا ذکر سورۂ فیل میں موجود ہے۔ (نعوذ باللہ منہ)

اسی سلسلہ میں دو ایک شعر اور ملاحظہ ہوں۔ پہلا شعر سُنیئے

ع؎ وہی جو مستوی عرش ہے خدا ہو کر
اُتر پڑا تھا مدینہ میں مُصطفٰے ہو کر

اس شعر میں ہندو مت کے مطابق اوتار لینے کی ذہنیت کی صاف ترجمانی پائی جاتی ہے اور عقیدۂ توحید کی جو مٹی خراب کی گئی ہے وہ محتاج بیان نہیں مگر یہ نکتہ ضرور قابل توجہ ہے کہ یہ بے چارہ شاعر ایسا یتیم العلم ہے جو اس حقیقت سے بھی شاید نابلد ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت و بعثت دونوں ہی مکہ معظمہ میں ہوئی تھیں یا مدینہ منورہ میں ؟ حالانکہ ایک مسلم گھرانے کا ایک چھوٹا بچہ بھی جانتا ہے کہ آپ کی ولادت شریفہ بھی مکہ معظمہ میں ہوئی تھی اور آپ کی بعثت (نبوت کا اعلان) بھی مکہ معظمہ میں مگر بیچارہ شاعر (جو شاید بڑے حضرت کا کوئی شاگرد ہے) وہ کہتا ہے

اُتر پڑا ہے مدینہ میں مُصطفٰے ہو کر

اب دُوسرا شعر لیجئے :-

اللہ کا محبوب بھی کم پایہ نہیں ہے
واں جسم نہیں ہے تو یہاں سایہ نہیں ہے

اس شعر کو خون کے آنسو" ص۱۵ پر بڑے فخر کے ساتھ خانہ اپنے خانۂ ساز
علمائے اہلسنت کا مسلک بتایا گیا ہے اس کے مطلب پر شاید آپ نے غور
نہ فرمایا ہو تو اب غور فرما لیجئے۔

"دین مجدی" کے پیرو "دین محمدی" کے پیروں سے مخاطب ہو کر فرماتے
ہیں کہ اے دیوبندیو! تم بھلا آنحضرت صلعم کو کیا مانتے ہو آپ کو تو ہم مانتے ہیں
تم لوگ تو آپ کی شان میں ایسے شعر لکھتے ہو کہ

"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

مگر ہم کو دیکھو کہ آپ کی تعریف اس طرح کرتے ہیں کہ (اللہ کے محبوب کا
پایہ مرتبہ (نعوذ باللہ منہ) اللہ سے کچھ کم نہیں ہے۔ اگر تم اللہ کی یہ خصوصیت مانتے
ہو کہ اس کا جسم نہیں ہے تو ہم بھی رسول کی ایک ایسی خصوصیت بناتے ہیں جو
(نعوذ باللہ منہ) خدا کو حاصل نہیں ہے اور وہ صفت یہ ہے کہ آپ کا سایہ
نہیں ہے لہٰذا خدا اور رسول دونوں برابر ہوں گے۔ کسی کو دوسرے پر کوئی
فوقیت نہیں ہے۔ اب اگر اللہ تعالےٰ اپنے جسم نہ ہونے پر فخر کرنا چاہیں تو ہم
ان کے مقابلہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو پیش کرکے کہہ دیں گے
کہ جناب یہ بھی آپ سے کچھ کم نہیں ہیں۔ اگر آپ جسم نہیں رکھتے تو
یہ سایہ نہیں رکھتے۔

جناب مشتاق نے اپنی دانست میں تو بہت معتدل قسم کا شعر اپنے مسلک
کی ترجمانی میں پیش کیا تھا مگر اس کی بھی حقیقت یہ نکلی اور دوسری طرف
مولوی حضرات نے الگ اس شعر کے خلاف سخت قسم کا احتجاج شروع کر دیا کہ

واہ علامہ واہ آپ نے اچھی وکالت فرمائی۔ آپ نے باری تعالےٰ کے لیے یہ بات کیسے کہہ دی کہ "وہ جسم نہیں ہے"۔ آپ نے ایسا اعلان کرتے ہوئے ہم غریبوں کا بھی تو کچھ خیال کیا ہوتا۔ ہم لوگ تو اپنی مولودی کتابوں میں برابر ایسے اشعار چھاپتے اور گاتے چلے آئے کہ

(الف) خُدا رُخ سے پردہ اُٹھاتا ہے آج
محمد کو جلوہ دکھاتا ہے آج
دکھاتا ہے کیا مرتبہ قرب کا
کہ زانو سے زانو ملاتا ہے آج

(ب) مولود شہیدی سے ایک مخمس کے آخری تین مصرعے ملاحظہ ہوں۔

جب عین وحدت کی صفت خالق نے اپنی تجھ کو دی
من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

ناظرین غور فرمائیں کہ "رخ" سے پردہ اٹھانے کے بعد یہ مصرع کہ:۔ "زانو سے زانو ملاتا ہے آج" کس قدر ناقابل تصور منظر کی تصویر کشی کر رہا ہے جس کے لیے کسی "محب رسول" نے خون کے آنسو تو درکنار سادہ آنسو کا بھی ایک قطرہ نہ بہایا۔ اسی سلسلہ میں مولودیوں کی مشہور کتاب شمع لاہوت بزم ملکوت کا ایک شعر ملاحظہ ہو:۔

خبر لیجیو موری علی جی کے بھیّا!
مرے کالی کملی والے کنہیا
(شمع لاہوت صلا)

دیکھا آپ نے کس صفائی سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس شعر میں بھیا اور کنھیا کہا گیا ہے مگر اعتراض ہے علمائے دیوبند پر کہ یہ لوگ شان اقدس میں گستاخی کرتے ہیں اب بتایئے بھیا اور کنھیا کہنے والا کون ہے ؟

یہاں تک تو "دین محمدی" کے بعض عقائد کا ذکر تھا اب ہم مثال کے طور پر اُن کے بعض مسائل بھی ذکر کرتے ہیں ۔

مسئلہ نمبر ۱ ۔ نماز پڑھتے وقت زبان سے چاہے تو نیت یہی کرے کہ مَیں اللہ کے لیے نماز پڑھتا ہوں مگر دل سے نماز میں ادنےٰ توجہ اور دھیان اللہ تعالےٰ کی طرف ہرگز نہ ہو بلکہ بالقصد اہتمام ذوق کے ساتھ آنحضرت صلعم کو یا کسی اور شیخ یا پیر کو اپنے سامنے موجود و حاضر تصور کر کے نماز پڑھے کہ گویا انہیں کو رکوع کر رہا ہے اور انہیں کو سجدہ کر رہا ہے اور جو شخص اس تصور کے بغیر نماز پڑھے وہ وہابی بلکہ کافر ہے (چنانچہ صراط مستقیم پر کفر کا فتوے اسی لیے داغ دیا گیا ہے کہ اس میں اس قسم کی خاص توجہ اور صرف ہمت کو منع کیا گیا تھا جیسا کہ مفصل گذر گیا ۔

مسئلہ نمبر ۲ ۔ درود شریف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بجائے اعلحضرت پر پڑھنا چاہیئے جیسا کہ اعلحضرت کے مریدین مستقل طور پر اُن کی خدمت میں درود کا تحفہ بھیجتے ہیں اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی عَبْدِ الْمُصْطَفٰی مَوْلَانَا اَحْمَدْ رَضَا ۔ (الجنۃ لاہل السنۃ ص۱۲۳)

مسئلہ نمبر ۳ ۔ یہ ہے کہ میت کو قبر میں دفن کرنے کے بعد اذان کہنی چاہیئے (بہار شریعت ص۱۶۱ ج ۴) مگر دین محمدی میں اس کا کہیں رواج نہ

اور یہ بات کس قدر مضحکہ خیز بھی ہے کہ نمازِ جنازہ تو بغیر اذان کے پڑھ لی اب نماز کے بعد اذان کا خیال آیا اگر اذان ہی کہنا تھی تو نماز سے پہلے کہتے "اُلٹے بانس بریلی" اسی کو کہتے ہیں۔

مسئلہ نمبر ۴ ۔ جمعہ کے خطبہ کے وقت امام کے سامنے جو اذان منبر کے قریب ہوتی ہے دین مجددی کے لحاظ سے وہ اذان مسجد کے باہر ہونی چاہیئے (بہار شریعت ص۳۲ جلد ۳) حالانکہ دین محمدی میں اہلسنت کی تمام مسجدوں میں ہمیشہ سے یہ اذان امام کے سامنے ہوتی آئی ہے۔

مسئلہ نمبر ۵ ۔ میت کو جس چیز کا ایصال ثواب کیا جاتا ہے دراصل اس کو ثواب نہیں پہنچتا بلکہ وہ چیز اسی طرح قبر میں میت کو پہنچتی ہے یہی وجہ ہے کہ محرم میں شہدائے کربلا کے لیے خاص طور پر شربت سے ایصال ثواب کرتے ہیں اور اسی بناء پر خود حضرت "اعلحضرت" نے اپنی یادگار وصیت میں ایصال ثواب کا لفظ تک نہیں استعمال کیا بلکہ اپنی خاص مرغوب اشیاء کا پارسل طلب فرمایا ہے ملاحظہ ہو وصایا شریف۔ فرماتے ہیں

اعزاء سے اگر بطیب خاطر ممکن ہو تو فاتحہ میں ہفتہ میں دو تین بار ان اشیاء سے کچھ بھیج دیا کریں۔

(۱) دودھ کا برف خانہ ساز اگرچہ بھینس کا دودھ ہو (۲) مرغ کی بریانی (۳) مرغ پلاؤ خواہ بکری کا (۴) شامی کباب (۵) پراٹھے (۶) بالائی (۷) فیرنی (۸) اُردکی پھریری دال معہ ادرک و لوازم (۹) گوشت بھری کچوریاں (۱۰) سیب کا پانی (۱۱) انار کا پانی (۱۲) سوڈے کی بوتل۔ (وصایا شریف ص۹)

ناظرین کرام اس وصیت کو بار بار پڑھ کر پہلے تو اعلیٰحضرت کے ذوق کام و دہن کی داد دیں اس کے بعد ان فرمائشی چیزوں میں جو قیدیں لگائی گئی ہیں اُن پر غور فرمائیں ۔ مثلاً یہ کہ دودھ کا برف کا گھر بنا ہُوا ۔ بازاری نہ ہو اور مستحب تو یہی ہے کہ بھینس کے دُودھ کا نہ ہو لیکن اگر مجبوراً بھی دُودھ میسّر ہو تو خیر کوئی مضائقہ نہیں اسی طرح فرمائش نمبر ۸ اُرد کی پھریری دال کے ساتھ معہ ادرک و لوازم کی قید بھی قابل غور ہے یعنی اُرد کی دال بغیر ادرک و لوازم مقبول نہ ہو گی ۔ کیونکہ سادہ دال نفع درباح پیدا کرتی ہے جس کے لیے قبر جیسی تنگ و تاریک جگہ کسی طرح مناسب نہیں ۔ پھر ان سب شرطوں کے بعد بھی یہ خیال پیدا ہُوا کہ شاید کوئی شخص دودھ کا برف بھینس کے دودھ کا بنا دے یا اُرد کی دال بغیر ادرک و لوازم ہی کے پارسل کر دے یا ان کھانوں کے مقدار کی زیادتی گرانی کا سبب ہو جائے تو وصیت ختم کرتے کرتے آپ نے سوڈے کی بوتل بھی بڑھا دی یہ سوچکر کہ قبر میں فوری طور پر "فسٹ ایڈ" اور پہلی "طبی امداد" کا بھی شاید کوئی بند و بست نہ ہو گا ۔

وصیت کی یہ طویل فہرست پڑھ کر جب آپ اچھی طرح چٹخارے لے چکیں تو یہ بھی سوچیں کہ آخر اپنی "صدی کا ایک مجدد" ولی کامل اور "عارف باللہ" انتقال سے ذرا دیر قبل باطن کی فکر کے بجائے بطن (پیٹ) کی فکر میں کیوں مبتلا ہے؟

اور وہ بھی یوں نہیں کہ اس وقت میرا جی چاہتا ہے کہ یہ چیز کھانے کو ملتی" اگر ایسا بھی ہوتا تو ہم سمجھ لیتے کہ مریض کی طبیعت مرض کی حالت میں کچھ ایسی ہو جاتی ہے کہ بعض چیزوں کی خواہش ہونے لگتی ہے مگر وہاں تو زندگی میں کسی چیز کے کھانے کی خواہش نہیں ہے بلکہ انتقال کے بعد

مزار شریف میں یہ غذائیں طلب فرمائی جارہی ہیں ۔

جناب مشتاق کی نظر اس فرق تک نہیں پہنچ سکی اسی لیے ان سے حضرت نانوتوی علیہ الرحمہ کی ککڑی اور مولانا حسین احمد صاحب کا "سروا" برداشت نہ ہوسکا اور اس پر چیخ اُٹھے حالانکہ حضرت نانوتوی اور مولانا مدنی سے ککڑی اور سروے کی جو فرمائش منقول ہے وہ مرض وفات کے زمانہ کی ہے اور ظاہر ہے کہ زندگی میں کسی چیز کی طلب کرنے اور انتقال کے بعد کسی چیز کو وصیت کے ذریعہ قبر شریف میں منگوانے میں زمین و آسمان کا فرق ہے ۔

اس موقعہ پر ہم اپنے ایک شبہ کا ذکر بھی ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ کہ ہم نے مانا کہ مسلمان کا عقیدہ ہے "الایمان بین الخوف والرجاء" (یعنی اُمید و نا اُمیدی کی درمیانی حالت کا نام ایمان ہے) یہی وجہ ہے کہ بزرگانِ دین فکر آخرت و خوف خدا سے ہمیشہ لرزاں و ترساں رہتے ہیں لیکن اللہ کی رحمت اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے مایوسی بھی تو مسلمان کی شایان شان نہیں بلکہ کفر ہے ۔ ایسی صورت میں بڑے حضرت کا جنت اور اس کی نعمتوں سے مایوس ہو کر صرف عزیزوں کے بھیجے ہوئے پارسلوں کی آس لگائے رکھنا بھی تو کوئی معقول بات نہیں ہوسکتی ۔ پھر غور کرنے کی ایک بات یہ بھی تھی کہ اگر خدا نخواستہ جنت کی نعمتوں کا دروازہ بند ہوگیا تو پھر عزیزوں کے بھیجے ہوئے یہ دُنیاوی پارسل کیسے بُک ہوسکیں گے (اللہ تعالےٰ ہر مسلمان کو ہر طرح کے عذاب سے محفوظ رکھے (آمین) ۔

اس وصیت کا یہ پہلو اور بھی مضحکہ خیز ہے کہ اگر کسی بڑے حضرت کے کسی عزیز کو شومی قسمت اور شامت عقیدت سے اس وصیت پر پابندی کے ساتھ عمل کی توفیق ہو جائے تو پھر اس کا دیوالیہ ہو جانا بھی یقینی ہے کیونکہ اعلیٰحضرت کو یہ اشیاء سال بھر یا عمر بھر میں ایک آدھ بار نہیں بلکہ ہفتہ میں دو تین بار درکار ہیں۔ یعنی اعلیٰحضرت کا فاتحہ کیا ہوا "باری کے بخار" کی طرح اچھا خاصا مرض ہو گیا۔

وصیت پر تبصرہ کچھ طویل ہو گیا مگر کیا کیا جائے بڑے حضرت کی بڑی وصیت تھی کچھ تو اس کا حق ادا کرنا تھا اور کچھ یہ کہ ؎

لذیذ بود وصیت دراز تر گفتم

یہ وصیت لذیذ ہی اس قدر تھی کہ اس کا صرف ذکر کر کے چٹخارہ نہ لینا بھی کسی طرح کفران نعمت سے کم نہیں کہا جا سکتا۔ غالباً اسی قسم کے فاتحہ کا تجزیہ اکبر الہ آبادی نے کیا ہے اور خوب کیا ہے ؎

تمہیں بتائیں کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا
پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحہ ہوگا

ہم جانتے ہیں کہ بہت سے حضرات اس وصیت پر ہمارے تبصرہ کو پڑھ کر برجستہ یہ کہہ دیں گے ؎

مر گئے مردود جن کی فاتحہ نہ درود

سو ایسے کرم فرماؤں کی خدمت میں ہم پیشگی یہ عرض کئے دیتے ہیں کہ مردودوں کی فاتحہ درود کے تو ہم خود بھی قائل نہیں ہیں بلکہ درود تو ہم ویسے

بھی صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ہی بھیجتے ہیں آپ کے سوا کسی حضرت یا چھوٹے حضرت پر درود بھیجنا ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے کہ وہ درود بھی مردود ہی ہوگا اس کے مقبول ہونے کا امکان ہی کب ہے اور یہی حال ایسے لوگوں کے فاتحہ کا بھی ہے۔ اسکے لیے ہمارا کہنا تو یہ ہے کہ :۔

مرگئے مردود ان کی فاتحہ بیسود

مسئلہ نمبر ٦ ۔ دین محمدی کا بنیادی مسئلہ میلاد و قیام ہے۔ جہاں تک آنحضرت صلعم کے ذکر پاک اور میلاد مبارک کا تعلق ہے اس میں کسی صحیح العقیدہ اہلسنت والجماعت (سنی مسلمان) کو اختلاف کی گنجائش نہیں ہے کہ آپ کا ذکر ولادت شریف ہو یا آپ سے متعلق کوئی تذکرہ ہو یہاں تک کہ آپ کے غلاموں آپ کے جانوروں بلکہ آپ کے نعل مبارک کا بیان بھی باعث برکت اور موجب ثواب ہے۔

علمائے حق (علمائے دیوبند) کی تحریریں اس سلسلہ میں روز روشن سے زیادہ واضح ہیں یہاں تک کہ اس سلسلہ میں ہم چیلنج کرتے ہیں کہ کوئی صاحب علمائے دیوبند میں سے کسی عالم کی کوئی تحریر ایسی نہیں دکھا سکتے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نفس ذکر ولادت شریفہ کو منع کیا گیا ہو۔ علمائے دیوبند بالاتفاق نفس بیان ولادت شریفہ کو ہمیشہ مندوب و مستحب اور باعث برکت و ثواب لکھتے آئے ہیں۔ علمائے دیوبند نفس میلاد کو نہیں روکتے بلکہ اس کی بے جا اور ایجاد بندہ پابندیوں کو منع کرتے ہیں۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ کوئی شخص ناجائز وقتوں میں نماز پڑھنا چاہے یا عید و بقر عید کے دن

روزہ رکھنا چاہے یا کسی نماز میں ایک رکوع یا سجدہ یا رکعت کا اضافہ کرنا چاہے تو ظاہر ہے کہ اس کو منع کیا جائے گا تو جس طرح منع کرنے والے کے لیے یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ یہ شخص نماز و روزہ کو منع کرتا ہے۔ بالکل یہی صورت یہاں بھی ہے کہ میلاد منع نہیں ہے بلکہ اس کو غلط طور پر کرنا منع ہے۔ ان پابندیوں کے بغیر جب جس کا جی چاہے شوق سے میلاد شریف کر سکتا ہے۔ خود حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ نے ایک مستقل کتاب "نشر الطیب" ایسے لوگوں کے لیے تصنیف فرمادی ہے۔ جو گاہ گاہ آپ کا ذکر ولادت شریف پڑھنا یا سُننا چاہتے ہوں اس لیے نفس میلاد میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ہاں میلاد شریف کے سلسلہ میں بعض دوسری غلط چیزوں کے ساتھ ساتھ قیام کا مسئلہ یقیناً اختلافی ہے اور یہی مسئلہ دین مجددی کا خاص مسئلہ ہے جس کو ان لوگوں نے سُنّت و مستحب تو در کنار فرض تک قرار دیدیا ہے۔ ملاحظہ ہو ان کا مشہور فتوے غایۃ المرام جس میں لکھا ہے کہ حضورؐ ہر محفل میلاد میں تشریف لاتے ہیں تعظیم کے واسطے کھڑا ہونا فرض ہے قیام نہ کرنے والا کافر ہے (غایۃ المرام ص۳۰ و ص۲۵ و ص۲۶ و ص۳۰)

حالانکہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ میلاد کے قیام کا ذکر و حکم نہ تو قرآن میں ہے نہ حدیث میں نہ اس پر صحابہ کرام نے عمل کیا نہ تابعین عظام و ائمہ مسلمین نے اس لیے یہ بالکل بے اصل چیز ہے۔ اس موقع پر بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ آخر اس میں کیا حرج ہے کہ حضورؐ کے لیے اگر ایسا کر لیا جائے۔ ہم

اس کے جواب میں ان سے پوچھتے ہیں کہ اگر عید کے روز روزہ رکھ لیا جائے تو کیا حرج ہے؟ یا مغرب کے فرض میں اگر ایک رکعت کو بڑھا کر چار رکعتیں پڑھ لی جائیں تو کیا حرج ہے یا مثلاً کلماتِ اذان میں آخری کلمہ صرف لا إلہ الا اللہ ہے اگر کوئی شخص اس کے ساتھ محمد رسول اللہ کا اضافہ کر دے اور اس کے جواز میں یہ کہے کہ آخر اس میں حرج ہی کیا ہے تو آخر آپ کس دلیل سے اس کو جواب دیں گے یہی نہ کہ ثابت نہیں ہے پس یہی دلیل ہماری بھی ہے کہ قیام میں تعظیم و احترام سب تسلیم مگر ثابت نہیں ہے اس لیے نہ کیا جائے ہم تو اس کے قائل ہیں ؎

مصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

یا

کوئی دلولہ ہو نا حوصلہ یہی مسئلہ یہی فیصلہ
جو حکم دے تو حلال ہے جو دہ روکدے تو حرام ہے

انعام اعلان اور چیلنج

چنانچہ اس سلسلہ میں ہم نہایت صاف طور پر یہ چیلنج کرتے ہیں کہ اگر کوئی صاحب ہمارے مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات ہماری شرطوں کے مطابق دیدیں تو ہم انشاء اللہ تعالےٰ نے اپنی حیثیت کے مطابق ان کا منہ مانگا انعام ان کو دینے کے لیے تیار ہیں وہ سوالات یہ ہیں :-

(۱) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنا میلاد شریف آج کل کے

مروجہ طریقہ پر کیا یا نہیں ۔

(۲) اگر کیا تو قیام و سلام کے ساتھ یا بغیر قیام و سلام یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قیام و سلام کا ثبوت دے کر انعام لیجئے ۔

(۳) آپؐ کے زمانہ میں یا آپ کے بعد "خلفائے راشدین" نے آپؐ کے "اہل بیت" نے یا کسی صحابی نے کبھی میلاد شریف کا کوئی جلسہ کیا یا نہیں ؟ اگر کیا تو کس ماہ و تاریخ میں کیا اور اس میں قیام و سلام بھی ہوا یا نہیں ؟ بتائیے اور انعام لیجئے ۔

(۴) صحابہ کرام کے بعد علمائے اہلسنت بلکہ تمام اہل سنت کے امام حضرت ابو حنیفہؒ نے یا ان کے شاگرد امام ابو یوسف و امام محمد وغیرہ نے میلاد شریف کبھی خود کیا یا نہیں ؟ اگر کیا تو قیام و سلام کیا یا نہیں ؟ ان حضرات سے بھی قیام و سلام کا ثبوت دیجئے اور انعام لیجئے ۔

مندرجہ بالا سوالات کے جوابات میں اگر کوئی صاحب کوئی مستند ثبوت پیش کر دیں تو ان کو منہ مانگا انعام انشاء اللہ تعالےٰ دیا جائیگا ۔ اور اگر وہ ثبوت نہ پیش کر سکے اور ہم چیلنج کرتے ہیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ وہ قیامت تک قیام و سلام کا ثبوت نہ دے سکیں گے تو پھر ہم ان سے درخواست کریں گے کہ وہ براہ مہربانی وہ اپنے بارے میں صاف صاف یہ اعلان کر دیں کہ :-

" ہم لوگ دراصل اہل سنت والجماعت سے نہیں ہیں نہ ہمارا عمل فقہ حنفی پر ہے ہم لوگ " دین محمدی " سے الگ " دین مجدی " کے پیرو ہیں اور

ہم قرآن وحدیث کی بجائے اعلیٰحضرت کی کتابوں کو مانتے ہیں اور ان پر عمل کرنا ہر فرض سے اہم فرض تصور کرتے ہیں"۔

ان کے اس اعلان کے بعد ہم کو ان سے کوئی سروکار نہیں رہیگا اور عام مسلمان بھی ان کے اس "بہروپ" سے واقف ہو کر صحیح راستہ پر چل سکیں گے، چنانچہ ہمارے اس چیلنج کا مقصد ہی یہ ہے کہ ہم عام مسلمانوں کے سامنے ان "بناسپتی اہل سنتوں" کی نقاب کشائی کر دیں اور مسلمان دیکھ لیں کہ اس چیلنج کی جواب دہی سے عاجز رہنے والے حضرات جماعت اہل سنت اور طریق قرآن وحدیث سے کتنے دور ہیں اور حلق پھاڑ پھاڑ کر "نعرۂ رسالت" اور "نعرۂ غوثیت" صرف اس لیے لگایا جاتا ہے کہ کسی کو ان کی "رسول دشمنی" اور مخالف سُنّت کا شبہ نہ ہونے پائے ؎

حب رسول اصل میں تعمیل دیں ہے
گر یہ نہیں تو دعویٰ الفت رسُول ہے

مسئلہ فاتحہ۔ یہ مسئلہ بظاہر تو زیادہ اہمیت کا حامل نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اہل بدعت کو اپنی حقیقت معلوم ہے وہ جانتے ہیں کہ اگر فاتحہ کے مسئلہ پر ہم زیادہ زور دیں گے تو "اہل ذوق" خواہ نہ سمجھیں مگر "اہل نظر" ضرور سمجھ جائیں گے کہ اس مسئلہ پر زور محض اس لیے نہیں دیا جارہا ہے کہ اس کا تعلق دین و مذہب یا روح و باطن سے ہے بلکہ یہ سارا زور اس لیے لگایا جارہا ہے کہ اس سے ان کے پیٹ کا تعلق وابستہ ہے۔ اس لیے عام طور پر اہلِ بدعت اس مسئلہ کو نہیں چھیڑتے بلکہ وہ لوگوں کو زیادہ تر

مسئلہ میلاد و قیام ہی کے ذریعہ اہل حق سے نفرت دلانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن چونکہ کہیں کہیں اور کبھی کبھی یہ حضرات اپنی تقریر و تحریر میں فاتحہ کا ذکر بھی لے آتے ہیں اور عام لوگوں میں یہ غلط فہمی پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ لوگ فاتحہ اور ایصال ثواب کے قائل ہی نہیں ہیں اس لیے ہم مختصر طور پر اس مسئلہ کی حقیقت بھی بیان کئے دیتے ہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو یہ توضیح ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں بحث و اختلاف کے دو پہلو ہیں ایک پہلو تو نفس فاتحہ و ایصال ثواب کا ہے اور دوسرا پہلو اس کے مروجہ طریقہ کا ہے پہلے پہلو میں ہمارا مسلک یہ ہے کہ عبادات نفلی کی جتنی صورتیں بھی ہو سکتی ہوں خواہ مالی، خواہ بدنی، خواہ انسانی ہر قسم کی نفل عبادت کا ثواب کسی دوسرے کو بخشا جا سکتا ہے پھر مالی عبادت خواہ کپڑے کی شکل میں ہو خواہ کھانے کی شکل میں ہو خواہ نقد کی شکل میں ہو ہر قسم کا ایصال ثواب جائز اور درست ہے۔ علمائے دیوبند میں سے کوئی بھی اس کا منکر نہیں ہے۔ البتہ سیدنا الغوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمہ اور دوسرے بزرگان دین جو فقہ شافعی و حنبلی پر عامل تھے اور جن کے نام کا نعرہ لگاتے لگاتے اہل بدعت کی زبانیں سوکھ جاتی ہیں۔ یہ حضرات ضرور ہر قسم کے فاتحہ و ایصال ثواب کو درست نہیں مانتے مگر کوئی بناسپتی "سُنّی" اُن کو "وہابی" نہیں کہتا آخر یہ کیا تماشہ ہے مکتبہ بریلی سے تعلق رکھنے والا کوئی بھی عالم یا علامہ اس تضاد کو دور کر دے تو ہم اس کے بے حد ممنون ہوں گے۔

اس مسئلہ کا دوسرا پہلو اس کا مروج طریقہ ہے۔ اس سلسلہ میں علمی دلائل کی روشنی میں کوئی بات کہنا اپنے فریق مخالف کے لحاظ سے بے محل سمجھتے ہیں ان حضرات سے تو صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ اگر فاتحہ کے ثبوت میں وہ دلیلیں جو آپ پیش کرتے ہیں کچھ وزن رکھتی ہیں تو ذرا کوئی ادنیٰ سا علمی و تاریخی ثبوت اس بات کا پیش کر دیجئے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا تیجہ اور سالانہ فاتحہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کس تاریخ کو کیا اور اس فاتحہ میں پنج آیات کن کن صحابہ نے پڑھیں۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تیجہ یا سالانہ فاتحہ کب کب کن کن حضرات نے کیا اور آگے چلئے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا تیجہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کس روز کیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی عزاداری اگلے سال حضرت زین العابدین نے کس تاریخ میں کی۔ ان کے سلسلہ میں سب سے پہلی مجلس شہادت کب ہوئی اور بیان شہادت کس نے پڑھا اور آگے چلئے۔ ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں کن کن بزرگوں کا فاتحہ کرایا خود اُن کی وفات پر اُن کے شاگردوں نے ان کا تیجہ یا سالانہ فاتحہ کرایا کہ نہیں اگر نہیں کرایا اور یقیناً نہیں کرایا تو آپ ہمیں اپنا مقلد کیوں بنانا چاہتے ہیں اس سوال کا جواب رضاخانی علماء میں سے کوئی صاحب بھی دے سکتے ہیں۔

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے

آخر میں دو لفظ ان حضرات کی دلیلوں کے سلسلہ میں بھی عرض کر دوں۔ فاتحہ کے سلسلہ میں یہ حضرات جو حدیثیں پیش کرتے ہیں وہ سب آنحضرت صلعم کے

معجزات سے تعلق رکھتی ہیں ان سب موقعوں پر آپ نے دُعا سے برکت فرمائی ہے اور آپ کے معجزہ کے طور پر کھانے پانی میں برکت و زیادتی ہو گئی ہے۔

اب ہم یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کیا یہ اہل بدعت اپنے متعلق اس غلط فہمی میں ہیں کہ حضور سرور کائنات صلے اللہ کی طرح (نعوذ باللہ منہ) ان سے بھی کسی معجزہ کا ظہور ممکن و متوقع ہے اگر اس سوال کا جواب اثبات میں ہے تو پھر اپنا نام رضاخانی گروہ کے بجائے قادیانی گروہ میں درج کرا لیجئے اور اگر اسکا جواب نفی میں ہے تو احادیث معجزات کے علاوہ کوئی مستند دلیل پیش کیجئے جس سے ثابت ہو سکے کہ فاتحہ کے وقت کھانا سامنے رکھنا اور اس پر کچھ آیات پڑھنا رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے اور آپ نے اس طرح فاتحہ دیا ہے پھر ان احادیث پر غور کیجئے تو ایک پُر لطیف نکتہ یا لطیفہ نکلتا ہے کہ احادیث سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کسی صحابی کی دعوت پر اس کے مکان تشریف لے گئے اور آپ نے (بقول اہل بدعت) فاتحہ دیا لیکن یہ پتہ نہ چلا کہ یہ فاتحہ کس لیے تھا آیا خود حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا فاتحہ پڑھا یا اس میزبان کا پڑھا تھا؛ اگر آج کل کے مریدوں کو شبہ ہو جائے کہ ہمارے پیر صاحب ہمارا فاتحہ پڑھنے آتے ہیں تو خدا نے چاہا بہت جلد اپنے آپ ہی فاتحہ کی یہ رسم ختم ہو جائے گی۔

میلاد کی طرح اس مسئلہ میں بھی ہماری طرف سے صاف اعلان ہے کہ اگر فاتحہ مروجہ کے ثبوت میں حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین، حضرات اہلبیت امہات المؤمنینؓ: حضرات تابعین و ائمہ عظام کے عمل سے کوئی واضح ثبوت ہو تو پیش کیجئے ورنہ اعلان کر دیجئے کہ دین محمدی اور فقہ حنفی سے حقیقتاً ہمارا کوئی

تعلق نہیں ہے ہم محض عوام کو مغالطہ دینے کے لیے ان کا نام لینے لگ گئے
کام سے ہمیں کام نہیں ہے ہم تو دین مجددی اور مسلک اکابرین پر عمل پیرا
ہیں۔ فاتحہ سے ہمیں جو قلبی تعلق اور دلی لگاؤ ہے اس کا اندازہ کرنا ہو تو پھر
ہمارے بڑے حضرت کی وصیت مطالعہ کرو نظر پڑتے ہی چٹخارے لینے لگو گے
آپ کے اس اعلان کے بعد ہم آپ سے کچھ نہ کہیں گے یہ ہم آپ سے وعدہ
کرتے ہیں آپ اعلان کر کے تو دیکھئے۔

یہ جو کچھ ہم نے عرض کیا اس کے مخاطب رضا خانی حضرات ہیں باقی سیدھے
سادے وہ مسلمان جو واقعی فاتحہ کے متعلق لاعلم ہیں اور اسکا صحیح طریقہ اور اس سلسلہ میں
صحیح مسلک جاننا چاہتے ہیں ان کے لیے ہم نہایت صاف لفظوں میں عرض کئے
دیتے ہیں کہ الحمد للہ ہم فقہ حنفی کے مطابق فاتحہ (ایصال ثواب) کے بھی قائل ہیں اور
نذر و نیاز کے بھی قائل ہیں لیکن اسی طریقہ پر جس طریقہ پر فقہ حنفی سے اسکا ثبوت ہے،
چنانچہ نذر و نیاز فقہ حنفی کے مطابق صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہونی چاہیئے کسی اور کیلئے
نہیں جیسا کہ شامی میں ہے " النذر عبادة " یعنی نذر عبادت ہے جو صرف اللہ کے لیے
ہونی چاہیئے لیکن فاتحہ (ایصال ثواب) جس کے لیے چاہے کیا جائے خواہ عزیز و
اقارب کیلئے خواہ دوست احباب کے لیے خواہ بزرگان دین، اولیاء کرام و انبیاء عظام
علیہم السلام کیلئے بالکل درست ہے ہمیں اس سے بالکل اختلاف نہیں ہے۔

فاتحہ کا طریقہ اسکا طریقہ جو احادیث سے ثابت ہے وہ صرف یہ ہے کہ انسان
جس نفلی عبادت (خواہ مالی ہو یا بدنی) کا ثواب پہنچانا چاہے
پہلے وہ کام انجام دے لے قرآن پڑھنا ہو تو پہلے پڑھ لے، فقیروں کو کھانا کھلانا

ہو تو کھانا کھلادے نقد پیسہ دینا ہو تو پہلے پیسے دیدے اسکے بعد حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور دُعا کرے کہ اے اللہ! میری اس عبادت کا ثواب حضورؐ کے صدقہ میں قبول فرمالے اور اس کا ثواب آنحضرت صلعم کی روح پر فتوح کو پہنچا کر فلاں بزرگ یا فلاں عزیز کو پہنچا دے۔ بس یہ طریقہ تو تعلیمات نبوی صلعم کے مطابق ہے اور صحیح ہے۔ باقی جو طریقہ عام طور پر رائج ہے وہ چونکہ کتب حدیث اور احکام فقہ سے ثابت نہیں ہے اسلئے ہم لوگ نہ اس طریقہ پر خود عمل کرتے ہیں نہ دوسروں کو اس کی اجازت دیتے ہیں۔ لہٰذا دین محمدی کے پیروں کے لیے تو یہی طریقہ مناسب ہے ہاں "دین مجددی" کے لوگ چونکہ اعلیٰحضرت کے دین و مذہب پر عمل پیرا ہیں اس لیے وہ اعلیٰحضرت ہی کے دین و مذہب کے مطابق عمل کریں گے۔ ہم اُنہیں کچھ کہتے بھی نہیں ہمارا خطاب تو مسلمانان اہلسنت سے ہے جنکا دین و مذہب کتاب و سُنت ہے اعلیٰحضرت کی کتابیں نہیں ہیں۔ اعلیٰحضرت کے مذہب میں تو کھانے کا ثواب نہیں پہنچتا ہے بلکہ وہ کھانے پہنچتے ہیں جیسا کہ ہم اعلیٰحضرت کی وصیت کی سلسلہ میں بیان کر چکے ہیں۔

دین مجددی کے یہ چند مسائل نمونہ کے طور پر زیر بحث آگئے ورنہ تو اس دین کی بنیاد ہی نئے نئے مسائل اور قرآن و حدیث کی تعلیمات کے بجائے "جدت و بدعت" پر ہے چنانچہ خود اعلیٰحضرت نے اپنے فتاویٰ رضویہ کے عربی خطبہ میں نہایت فخر کے ساتھ یوں ارشاد فرمایا ہے کہ

(اے ناظر! تم اس فتاویٰ رضویہ میں بہت سی صاف ستھری دلہنیں (تحقیقات) پاؤ گے۔ گویا وہ یاقوت و مرجان ہیں جن کو مجھ سے پہلے کسی آدمی یا جن نے ہاتھ تک نہیں لگایا)۔

ذرا دیکھیے بڑے بڑے حضرت کے بڑے حوصلے کہ اپنے آپ کو سارے انسانوں اور جنات پر کسی صفائی سے فوقیت دے رہے ہیں اور قرآن کریم میں جنت کی حوروں کی تعریف و توصیف کے لیے جو الفاظ استعمال ہوئے تھے وہ آپ اپنی نکالی ہوئی باتوں کے لیے استعمال فرما رہے ہیں کسی محب رسول کو اپنے اعلیٰحضرت کی اس تعلّی میں تنقیص کیوں نہیں نظر آئی؛ ان کی اس "تعلّی بیجا" پر انکا ایک شعر یاد آگیا:۔

ع ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

اس شعر کی لفظی و معنوی خوبیوں کی نقاب کشائی تو کوئی شاعر ہی کر سکتا ہے ہم کو تو صرف دو باتیں صاف کرنی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس شعر میں "تم کو" کا استعمال صحیح طور پر نہیں ہوا ہے کیونکہ یہاں تمہارے لیے کہنے کا موقع تھا۔ اعلیٰحضرت یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اے رضا: ملکِ سخن کی بادشاہی تمہارے لیے مسلم اور ثابت ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ تم کو یہ مسلم ہے یعنی تم کو اس کا اقرار ہے اور دوسری بات یہ کہ رضا اور مسلم دو الگ الگ ٹکڑے ہیں۔ کوئی صاحب غلطی سے اس کو "مرغِ مسلم" کی طرح "رضا مسلم" ایک چیز نہ سمجھ لیں۔ ضرورت شعری کی بنا پر ایسا ہو گیا ہے اور اشعار میں اس قسم کی باتیں قابلِ توجہ نہیں ہوتیں۔

حصّہ سوم

اعلیٰحضرت اور اُن کا مشن؟

اُن کی مشین اور مشینری

علمائے حق اور اکابر حضرات دیوبند کی انتہا پسندانہ مخالفت کرنیوالوں میں یُوں تو کئی نام سامنے آتے ہیں لیکن جو خصُوصیات اعلیٰحضرت کو حاصل تھیں انہوں نے ان کو اپنے دوسرے ہمعصروں سے ممتاز کرکے صحیح معنوں میں پورا پورا "حریف حق" بنا دیا تھا۔ ان کے تلمیذ روحانی فاضل مشتاق نظامی خود اس حقیقت کا اعتراف یوں فرماتے ہیں :-

"چونکہ اعلیٰحضرت کے کار تجدید میں نمایاں پہلو عقائد باطلہ کی تردید کو حاصل ہے اور اُس بارے میں اگر کسی کو آپ کا شریک و سہیم قرار دیا جا سکتا ہے تو علامہ فضل حق اور مولانا فضل رسول بدایونی کو، لیکن ان دونوں کی زندگی میں یہ حصہ جزوی حیثیت سے نظر آتا ہے اور اعلیٰحضرت کی پُوری زندگی احیاء سُنّت اور رد ابطال کی آئینہ دار ہے۔ یہ موازنہ من حیث تجدید بلکہ محض ردّ وہابیہ کے مخصوص شعبے سے متعلق ہے۔

(ملاحظہ ہو پاسبان مجدد نمبر ص۸)

ع

ہم کہیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

"مدیر پاسبان" نے یہ جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کی تضاد بیانی اور بے مطلبی سے قطع نظر کرنے کے بعد اس کا مطلب بظاہر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ اعلیٰحضرت کو ان کے ہمعصروں سے ممتاز کرنے والی خاص صفت ان کی تردید وہابیہ ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ان حضرت نے اپنی ساری زندگی " علمائے حق " کی تکفیر اور ان کی بدگوئی میں صرف کی اور اس سلسلہ میں آپ کا سب سے زیادہ روشن کارنامہ آپ کی بڑی کتاب " حسام الحرمین " ہے۔ اسکا مختصر تعارف یہ ہے کہ بڑے حضرت نے علمائے حق کی کتابوں سے مختلف عبارتیں لیکر ان کو ایک خاص ترکیب و ترتیب سے درست فرمایا۔ پھر ان کو عربی میں ترجمہ کرکے ایک سوالنامہ (استفتاء) تیار کیا اور اس کو لیکر حرمین شریف کا سفر کیا اور وہاں کے علمائے کرام سے ان عبارتوں پر فتوے طلب کیا۔

چنانچہ علمائے حرمین نے آپ کے سوالوں کے مطابق انکے جوابات دیدیئے جس کو لیکر اعلیٰحضرت ہندوستان واپس تشریف لے آئے اور بڑی " دھوم دھام " سے انکی اشاعت فرمادی اور مارے خوشی کے علمائے حرمین کی جوابی عبارتوں کو پوری طرح پڑھا اور سمجھا بھی نہیں حالانکہ ان کے جوابات میں جس طرح ان خود ساختہ عبارتوں پر کفر کے فتوے تھے اسی طرح خود بڑے حضرت کی کارستانی پر بے اطمینانی اور بے اعتمادی کا بھی اظہار کیا گیا تھا۔

چنانچہ حسام الحرمین میں علمائے حرمین کی جو تقریظیں اور تائیدیں درج ہیں ان میں سے تیسری تقریظ میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر واقعتہً اُن لوگوں کا یہی حال ہے جو تم نے (اے بڑے حضرت) ذکر کیا ہے تو وہ لوگ کافر ہیں اسلام

سے خارج ہیں" (ص۱۲) اسی طرح ایک تقریظ میں یہ الفاظ ہیں کہ "اگر وہ باتیں تحقیقی طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچ جائیں جو ان حضرات (مولانا محمد قاسم صاحب اور مولانا اشرف علی صاحب وغیرہ) کی طرف منسوب ہیں تو ان پر کفر کا حکم لگایا جائیگا (یعنی ورنہ نہ لگایا جائیگا) دیکھئے حسام الحرمین ص۵۱ اور اس قسم کی بے اعتمادی و بے اطمینانی صرف ان ہی دو تحریروں میں نہیں بلکہ ص۲۷ و ص۲۶ و ص۲۲ پر بھی اس شک و شبہ کا اظہار موجود ہے حالانکہ اعلیٰحضرت بنفس نفیس خود فتویٰ لینے کے لیے تشریف لے گئے تھے (جن کو بقول مصنف "خون کے آنسو" علمائے عرب و عجم، علامۂ کامل، استاد ماہر، یگانۂ وقت، زبان کا دھنی، ولی کامل اور عارف باللہ وغیرہ وغیرہ کے خطابات سے یاد کرتے تھے۔ "خون کے آنسو" ص۲۸) جس کا تقاضہ تو یہی تھا کہ علمائے حرمین اس "استاذ ماہر" کی "استادی" اور "مہارت" میں شک و شبہ نہ کرتے اور آنکھ بند کر کے "کفر" کا فتوے دیدیتے مگر یہ کیسے ہو سکتا تھا آخر تو حضور سراپا نور کا ارشاد نورانی ہے کہ "مومن کی فراست ایمانی" سے اپنے آپکو بچاؤ۔ (اس کے بظاہر سیدھے سادے ہونے سے دھوکہ میں نہ پڑو) کیونکہ وہ مومن اللہ تعالیٰ کے نور سے (اصل حقیقت کو) دیکھ لیتا ہے"۔

چنانچہ علمائے حرمین بھی "استاذ کامل" کی "کامل استادی" تاڑ گئے اور اپنی تحریروں میں ان عبارتوں کے خلاف فتوے صادر فرماتے ہوئے "بڑے حضرت" کے "بڑے استاذ" ہونے کی طرف بھی اشارہ فرمادیا۔

اب یہ کرشمۂ قدرت تھا کہ اعلیٰحضرت اپنی بظاہر کامیابی کی خوشی میں مگن ہوکر ایسے کھوئے گئے کہ ان جرابات کے اس " خطرناک " پہلو کو نہ پاسکے اور اس طرف ان کا ذہن نہ گیا ورنہ جو حضرت " کتربیونت " اور " اُلٹ پھیر " کی ایسی شاندار تجدیدی صلاحیتیں رکھتے ہوں ان کے لیے یہ کوئی مشکل کام بھی نہ تھا کہ وہ اُن تقریظوں کے ساتھ بھی وہی حرکت اور کارسازی کرتے تھے جو دوسرے اہلِ حق کی عبارتوں کے ساتھ کر چکے تھے مگر ؎

کیا بات کہ غیر پردہ کھولے
جادُو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے

بہت ممکن ہے بعض حضرات اس کو ہماری معنی آفرینی پر محمول کرتے ہوئے ہم سے اس کا ثبوت چاہیں تو ایسے حضرات کو مطمئن کرنے کے لیے ہم آج ازسرِنو وہ مجملی بسری حقیقت سامنے لانا چاہتے ہیں جو اب سے مدتوں پہلے " المہند " کے روپ میں سامنے آچکی تھی۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کی حرمین سے بظاہر لیکن درحقیقت ناکام واپسی کے بعد بعض علمائے حرمین نے دیوبند کے بعض علماء حق سے یہ دریافت کیا کہ " ایک ہندی آدمی نے " (ذرا علمائے حرمین کی نظر میں بڑے حضرت کا یہ بڑا مرتبہ دیکھیے کہ ان حضرات نے یہ نہیں فرمایا کہ ایک ولی کامل، صدی کے مجدد، عارف باللہ یا قطب وقت نے بلکہ نہایت ہی معمولی انداز میں یہ فرمایا کہ ایک ہندی آدمی نے) آپ لوگوں کی نسبت بہت بُرے بُرے عقیدے منسوب کئے ہیں ہم اُردو زبان

سے ناواقف ہونے کی وجہ سے پوری طرح مطلب نہیں سمجھ سکتے۔ لہٰذا بعینہ ان عبارتوں کا مطلب عربی میں ظاہر کریں"۔

علمائے حرمین کی اس فرمائش پر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے ان عبارتوں کو عربی میں لکھ کر علمائے دیوبند و دیگر علماء کے دستخطوں اور مہروں کے ساتھ علمائے حرمین و علمائے مصر و شام کے سامنے پیش کیا جس کو دیکھ کر ان سب علماء نے بالاتفاق یہ تحریر فرمایا کہ بے شک یہی عقیدے (جو تمہارے علمائے دیوبند کے ہیں) ہمارے اور ہمارے مشائخ اہلسنت کے ہیں خود بدعتی ہی اس کے خلاف ہیں"۔

علمائے حرمین وغیرہ کا یہ شاندار و یادگار فتوے اسی زمانے میں (المهند علی المفند) کے نام سے شائع کر دیا گیا تھا جس میں علمائے عرب و حجاز مکہ و مدینہ مصر و شام وغیرہ کی ۶۹ مہریں ثبت ہیں (یہ رسالہ اہل بدعت کو برابر کھلتا رہا اور وہ بڑی ناگواری کے ساتھ اس کو برداشت کرتے رہے اور اب تک کسی کو تاب جواب نہ ہو سکی۔ جناب مشتاق نے بھی "خون کے آنسو" میں اس کا رونا رویا ہے اور اس سخت و تیز رسالہ کو ناپسند فرماتے ہوئے ص۹۲ پر "المخنث" کی طلب ظاہر فرمائی ہے ہم ان کے اس ذوقِ خاص پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہیئے اس لیے صرف یہی معذرت کریں گے کہ

؏ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

علمائے عرب و حجاز مکہ و مدینہ و مصر و شام کی ان تصدیقات کے

علاوہ مفتی آستانہ نبویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) علامہ مولانا سید احمد صاحب برزنجی نے تو اعلحضرت کی تردید میں دو مستقل رسالے بھی تصنیف فرمائے ایک "تشقیق الکلام" اور دوسرا "غایۃ المامول" ان ہر دو رسالوں میں بھی دیگر علمائے مدینہ کی تقریظیں ہیں۔ سب حضرات نے اعلحضرت کو خوب طرح سے یاد کیا ہے اس کے بعد اگر کوئی اور ہوتا تو گوشۂ گمنامی اختیار کر لیتا مگر آپ صرف اس بات پر خوش ہیں کہ ؎

گرچہ ہے کس کس برائی سے ولے با ایں ہمہ
ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

یہاں تک تو اعلحضرت کا اور ان کی بڑی کتاب "حسام الحرمین" کا مختصر تعارف تھا۔ اب اسی سلسلہ میں ایک دوسری عجیب و غریب کتاب کا بھی کچھ تعارف ہو جائے۔ یہ کتاب کیا ہے "کفر کی مشین گن ہے" اس مشین گن کا ذکر تو آئندہ سطور میں کریں گے اس سے پہلے ایک شبہ کا ازالہ اور ایک بات کی صفائی نہایت ضروری ہے۔

شُبہ کا ازالا اور بات کی صفائی

اس موقع پر بہت سے لوگوں نے ہم سے اپنے ایک شُبہ کا ذکر کیا کہ آخر یہ کیا بات ہے کہ اگر (تقویۃ الایمان، حفظ الایمان، صراط مستقیم، تحذیر الناس براہین قاطعہ وغیرہ کی) ان عبارتوں کا وہ مطلب نہیں ہے جو "فاضل بریلی" فرماتے ہیں اور ان کا مطلب وہی ہے جو اس کتاب میں یا علماء دیوبند کی دوسری کتابوں میں بیان کیا گیا ہے تو پھر "فاضل بریلی" کو یہ کیا ہو گیا تھا کہ انہوں نے

بلا وجہ ایسے اکابر علماء کی تکفیری مہم چلادی؟

ہمارے نزدیک اس شبہ کی دیسے تو زیادہ اہمیت نہیں ہے کیونکہ ہم حق اور معیارِ حق کے ذریعہ کسی شخصیت کی بزرگی و برتری تسلیم کرتے ہیں کسی شخصیت کو پہلے تسلیم کرکے اس کے ذریعہ "حق اور معیارِ حق" کی تعیین نہیں کرتے "فاضل بریلی" کیسے ہی فاضل ہوں لیکن جب ہمارے نزدیک ان کی دیانت داری، امانتداری مجروح ہوگئی ان کے فتووں کی تضاد بیانی آشکارا ہوگئی تو پھر ہمیں انکی خالی خولی فضیلت علم مرعوب نہیں کرسکتی ہاں جن حضرات کو ان بڑے حضرت کے ساتھ کسی وجہ سے حسن ظن قائم ہوگیا ہو انہیں ان کا حسن ظن مبارک ہو ہم انہیں اُن کی جانب سے بدگمان بھی نہیں کرتے مگر ہاں ہم ایسے حضرات سے ان کے ایمان و اسلام اور خدائے تعالیٰ کی وحدانیت وعظمت اور حضور سرورِ کائنات فخر موجودات صلے اللہ علیہ وسلم کی رفعت ومحبوبیت کا واسطہ دے کر یہ ضرور عرض کرینگے کہ آپ کے سامنے دو صورتیں ہیں ان میں سے آپ کون سی صورت اختیار کرنا مناسب سمجھیں گے۔

پہلی صورت تو یہ ہے کہ آپ ان بڑے حضرت کے ساتھ حسن ظن رکھیں اور پھر اس کے نتیجہ میں لاکھوں، کروڑوں اگلے پچھلے مسلمانوں کو بالکل کافر ومرتد قرار دے دیں اور وہ بھی اس درجہ کا کہ جو ان کو کافر نہ کہے یا کافر کہنے میں شک اور تردد کرے وہ بھی کافر، حسام الحرمین (جو اعلحضرت کی معاملہ سازی اور کافرسازی کا واحد شاہکار ہے) میں بڑے حضرت کا جرنیلی فتویٰ بھی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آپ لاکھوں کروڑوں مسلمان اور صدہا اکابر علماء و مشائخ کے ساتھ حسنِ ظن رکھیں اُن کی عبارتوں کا وہی مطلب مان لیں جو وہ لوگ خود بتاتے ہیں اس صورت میں ہم آپ سے یہ مطالبہ بھی نہیں کرتے کہ آپ جوابی طور پر "فاضل بریلی" اور ان کے "فضولی متبعین" کو "کافر" ہی کہہ دیں ہمیں ان کے کفر سے ہرگز ہرگز کوئی خوشی نہ ہوگی ہم تو انہیں مسلمان ہی دیکھنا چاہتے ہیں۔ اب یہ دُوسری بات ہے کہ وہ لوگ اپنے ان جرنیلی فتووں کی زد میں خود ہی آجاتے ہیں ہمیں کوئی فتوے دینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ مثال کے طور پر اعلحضرت کی دو تحریریں ملاحظہ ہوں۔ فتاویٰ رضویہ ص۲۳۵ ج ۱ میں فرماتے ہیں۔

"وہابی ایسے کو خدا کہتا ہے جسے مکان، زمان، جہت، ماہیت، ترکیب عقلی سے پاک کہنا بدعت حقیقیہ کے قبیل سے" (اور چند سطروں بعد) "ایسے کو جس کا بہکنا، بھولنا، سونا، اونگھنا، غافل رہنا، ظالم ہو جانا حتیٰ کہ مرجانا سب کچھ ممکن ہے۔ کھانا، پینا، پیشاب کرنا، پائخانہ پھرنا، ناچنا، تھرکنا، نٹ کی طرح کلا کھیلنا، عورتوں سے جماع کرنا، لواطت جیسی خبیث بے حیائی کا مرتکب ہونا، حتیٰ کہ مخنث کی طرح مفعول بننا کوئی خباثت کوئی فضیحت اس کی شان کے خلاف نہیں (اور آگے) اس کے ماں باپ، جورو بیٹا سب ممکن ہے بلکہ ماں باپ ہی سے پیدا ہوا ہے، ربڑ کی طرح پھیلتا، سمٹتا ہے۔ برہما کی طرح چو مکھا ہے (کچھ اور آگے) جس نے اپنا سب سے بڑھکر مقرب ایسوں کو بنایا جو اس کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہیں"

وغیرہ وغیرہ۔ اور بھی بہت سے ایسے ہی عقیدے وہابیہ کے بیان کئے ہیں۔
(فتاویٰ رضویہ ص ۲۲۵ ج ۱)

فاضل بریلی نے اس موقع پر مولانا اسمٰعیل صاحب کا نام لے کر یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ یہ سب عقیدے انہی کے ہیں بلکہ حاشیہ پر ان کی متعدد کتابوں کے ناموں کا حوالہ بھی دیا ہے۔

اب بڑے حضرت کے جرنیلی فتوے کو نقل کرنے سے پہلے ہم ان کی کچھ اور تحریریں بھی نقل کرنا چاہتے ہیں مگر اس سے پہلے ہم اپنے ناظرین کو خدا و رسول کا واسطہ دے کر دریافت کرتے ہیں کہ آپ حضرات اپنے سینوں پر ہاتھ رکھ کر بتائیں کہ مندرجہ بالا تحریر کو پڑھتے ہوئے آپ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ نہیں اور کیا آپ کے حاشیۂ خیال میں بھی اس کی کوئی گنجائش ہو گی کہ خدا تعالےٰ کے متعلق ایسے عقیدے رکھنے والا بھی مسلمان ہو سکتا ہے اور ایسے شخص کو کوئی مسلمان بھی مسلمان کہہ سکتا ہے۔

اب آپ کو خواہ کتنا ہی تعجب ہو ہم یہ تلخ حقیقت آپ کے سامنے رکھنے پر مجبور ہیں کہ ان بڑے حضرت کے نزدیک مندرجہ بالا عقیدوں والے مولانا اسمٰعیل صاحب مسلمان ہیں بلکہ آپ کے نزدیک قابل اعتماد اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ انہیں مسلمان کہا جائے ملاحظہ ہوں بڑے حضرت کی یہ تحریریں :-

(۱) حاش للہ حاش للہ ہزار بار حاش للہ میں ہرگز اُن کی تکفیر پسند نہیں کرتا اور امام الطائفہ (اسمٰعیل دہلوی) کے کفر پر بھی حکم نہیں کرتا (تمہید ایمان ص ۴۳)

(۲) ہم احتیاط برتیں گے سکوت کریں گے جب تک ضعیف سا ضعیف بھی احتمال ملیگا حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے (تمہید ایمان صـ۴۳)

(۳) علماء محتاطین انہیں (اسمٰعیل دہلوی کو) کافر نہ کہیں یہی صواب (درست) ہے یہی جواب ہے اور اسی پر فتویٰ ہوا اور اسی پر فتویٰ ہے اور یہی ہمارا مذہب اور اسی پر اعتماد اور اسی میں سلامت اور اسی میں استقامت ہے

(تمہید ایمان صـ۴۴)

(۴) ہمیں ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے لا الہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے۔ جب تک کہ وجہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہو جائے۔

(تمہید ایمان صـ۴۳)

اب یہ بڑے حضرت کی شپرہ چشمی ہی تو ہے کہ انہیں ان عقائد میں جو اُنھوں نے فتاویٰ رضویہ میں نقل کئے ہیں آفتاب سے زیادہ روشن وجہ کفر نظر نہیں آئی جس کی وجہ سے کفر کا فتوے نہیں دیا۔ اور دوسرے اکابر دیوبند کی عبارتوں سے خدا جانے کس طرح اُنہیں کفری معنیٰ نظر آگئے کہ بغیر تکفیر کوئی صورت ہی نظر نہ آئی چنانچہ فرماتے ہیں :

" جب صاف صریح انکار ضروریات دین و دُشنام دہی رب العٰلمین و سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم اجمعین آنکھ سے دیکھی تو اب بے تکفیر چارہ نہ تھا کہ اکابر ائمہ دین کی تصریحیں سُن چکے کہ " جو ایسے کے معذب و کافر ہونے میں شک کرے خود کافر ہے" (تمہید ایمان صـ۵۹)

ممکن ہے بڑے حضرت نے مولانا اسمٰعیل صاحب کی کتابیں آفتاب کی

تیز روشنی میں دیکھی ہوں تو معنی کفر نظر نہ آئے ہوں اور دیگر علماء دیوبند کی کتابیں رات کو اندھیرے میں دیکھی ہوں تو معنی کفر نظر نہ آئے ہوں اور سوجھ گئی ہو ورنہ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ فتاویٰ رشیدیہ میں جس فرقہ وہابیہ کے عقائد نقل کئے ہیں اس کی تکفیر میں بڑے حضرت کو شبہ کیوں رہا اور یہ جرنیلی فتویٰ انہیں اس وقت کیوں یاد نہیں آیا کہ "جو ایسے کے معذب و کافر ہونے میں شک کرے خود کافر ہے" حالانکہ یہ جرنیلی فتوے نے ایسا خطرناک ہے کہ اس کی زد سے خود بڑے حضرت بلکہ ان کے نیچے کے سارے چھوٹے حضرات کا بھی ایمان خطرہ میں پڑ جاتا ہے کیونکہ بڑے حضرت ایک جگہ یہ فرما چکے ہیں کہ میں ان کی تکفیر نہیں کرتا علماء محتاطین انہیں کافر نہ کہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بڑے حضرت پر ایک دور یقیناً ایسا گزرا ہے جب انہیں ان حضرات کے کفر میں شک تھا جس کی بنا پر وہ خود ہی اپنے اس جرنیلی فتوے کی رُد سے کافر ہوئے جاتے ہیں لہٰذا اب یہ ثابت کرنا ان کے چھوٹوں کے ذمہ ہے کہ اس دورِ شک کے بعد انہوں نے اپنے ایمان و نکاح کی تجدید کب کی اس کے گواہ کون کون صاحبان ہیں اور وہ بھی مسلمان ہیں یا نہیں؟ اگر یہ سب کچھ نہیں ہوا تو ہم بڑے حضرت اور ان کے متعلقین و متبعین کے حق میں کیا خیال کریں؟

لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

کفر کی مشین گن اس کتاب کا نام "تجانب اہل السنۃ عن اہل الفتنۃ" ہے یہ ۱۳۶۱ھ میں اب سے تقریباً پچیس تیس سال پہلے شائع ہوئی تھی جس پر

بحیثیت مصنف نام تو مولوی محمد طیب دانا پوری کا ہے لیکن کتاب میں جس بے نقط "انداز پہ عام مسلمانوں کو کافر گردانا گیا ہے اس کو دیکھتے ہوئے کتب کا ایک ایک حرف بلکہ شاید ہر ہر نقطہ صدائے "انخ انا الحشمت" (میں حشمت ہی ہوں) بلند کر رہا ہے جس سے اندازہ تو یہی ہوتا ہے کہ بڑے حضرت کے صحیح جانشین اور خلف صدق جناب حشمت علی صاحب کسی مصلحت سے پس پردہ ہو گئے ہیں ورنہ یہ تصنیف انہی کی ہے اور اگر بالفرض یہ ان کی تصنیف نہ بھی ہو تو اس پہ ان کی تصدیق ہی کیا کم ہے۔ اس مختصر تمہید و تعارف کے بعد اس کے چند ضروری اور اہم اقتباسات ملاحظہ ہوں:-

(الف) جس طرح بے دین بادشاہ اکبر نے اپنے نورتن بنائے تھے جو اس کے وزیران حکومت اور مشیران سلطنت تھے اسی طرح پیر نیچر (سرسید) نے بھی اپنے نورتن بنا رکھے تھے جو پیر نیچر کے وزیران نیچریت اور مشیرانِ دہریت اور مبلغین زندیقیت تھے (ص۳)

سرسید کے بہت سے افکار و خیالات اور عقائد سے علمائے حق نے اختلاف کیا مگر اس طرح نہیں کہ اُن کے ساتھ ساتھ ان کے سارے کام کرنیوالے ساتھیوں کو بھی نیچری، دہری اور زندیق بنا دیا ہو آگے اسی جگہ ان نیچریوں، دہریوں اور زندیقوں کی فہرست یہ پیش کی گئی ہے۔

(ب) جن کے نام یہ ہیں: نواب محسن الملک مہدی علیخاں، نواب اعظم یار جنگ، مولوی چراغ علی، نواب انتصار جنگ، مولوی مشتاق حسین، مولوی الطاف حسین حالی شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ، مولوی مہدی حسن، سید محمود خاں شبلی نعمانی اعظم گڑھی اور

ڈپٹی نذیر احمد خاں دہلوی ۔ (ص۸۵)

اس کے بعد ص۹۰ پر سیاسی و مذہبی جماعتوں کو سر سید اور اُن کے ساتھیوں کا پیرو گردانا ہے جس کی فہرست یہ ہے :۔

(ج) مُسلم ایجوکیشنل کانفرنس، ندوۃ العلماء، خدامِ کعبہ، خلافت کمیٹی، جمعیۃ العلماء ہند، خدام الحرمین، اتحاد ملت، مجلس احرار، مسلم لیگ، اتحادی کانفرنس، مسلم آزاد کانفرنس، نوجوان کانفرنس، نمازی فوج، جمعیۃ تبلیغ الاسلام انبالہ، سیرت کمیٹی پٹی ضلع لاہور، امارت شرعیہ بہار شریف، آل پارٹیز کانفرنس وغیرہ کمیٹیاں اسی مقصد کے لیے انہیں کفر نیا چرہ (نیچریوں کافروں) نے اپنی نیچریت و دہریت پھیلانے کیلئے وقتاً فوقتاً گھڑی ہیں (ص۹۰)

اسی کے بعد ص۹۱ کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو :۔

ان بے ایمانوں نے عوام مسلمین کو پھانسنے کے لیے اصلاح قوم کے نام سے قومی عصبیت کا آڑ بنا کر کپڑے بننے والوں کی مومن کانفرنس، جمعیۃ المومنین، جمعیۃ الانصار، روئی دھنکنے والوں کی مومن کانفرنس، کپڑا سینے والوں کی جمعیۃ الادریسیہ، قصابوں کی جمعیۃ القریش، سبزی فروشوں کی جمعیۃ الراعین، پٹھانوں کی افغان کانفرنس، میمنوں کی میمن کانفرنس، مسلم کھتریوں کی مسلم کھتری کانفرنس عباسیوں کی جمعیۃ آل عباسیہ، کمبوہوں کی آل انڈیا کمبوہ کانفرنس، پنجابیوں کی آل انڈیا پنجابی کانفرنس وغیرہ کمیٹیاں خود گھڑیں یا اپنے دام افتادوں سے گھڑوائیں ۔ (ص۹۱)

غرض کہ اس طرح "بے نقط" عام مسلمانوں کو اس کتاب میں کافر اور

گمراہ وغیرہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی اور ص۱۵۴ پر یوں مشورہ دیا گیا ہے:-

"(۸) سُنی مسلمانوں پر فرض شرعی، دینی، مذہبی، قرآنی، ایمانی قطعی یقینی ہے کہ اس قسم کے تمام مرتدوں اور بے دینوں سے اگرچہ ان کے باپ یا بھائی یا بیٹے ہوں یا ان کے کنبے قبیلے والے ہوں خدا و رسول جل جلالہٗ و صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رضا کے لیے قطعاً علیحدہ و بے زار رہیں۔ ان کو اپنی برادری سے خارج کر دیں۔ جو شخص اس کو جھگڑا فساد اور پھر نااتفاقی بتائے وہ بحکم قرآن عظیم انہیں بے ایمانوں کے حکم میں ہے۔ انہیں کی طرح کافر ہے۔"

یہ ہیں عجیب وغریب کتاب کے چند اقتباسات جو صاحب مزید تفصیل کا شوق رکھتے ہوں وہ اصل کتاب "تجانب اہل السنۃ" کا مطالعہ فرمائیں یا "تکفیری افسانے" ملاحظہ فرمائیں جس میں ان حضرات کی "مفتیانہ قلابازی" اور بازی گری بلکہ "مذہب فروشی" کے سارے تماشے دکھائے گئے ہیں اور ان کی "کافر سازی" کی داستان کافی تفصیل کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔

علمائے فرنگی محل اپنی غیر جانبداری میں ہمیشہ ممتاز و مشہور رہے مگر فاضل بریلی حضرات اعلحضرت سے ان کی غیر جانبداری بھی برداشت نہ ہوئی اور آپ نے ایک سو ایک وجہوں سے انکو کافر قرار دیا بلکہ ان کیخلاف ایک مستقل رسالہ "الطاری الداری بہفوات عبدالباری" تصنیف فرما دیا،

پھر جب اس سے کام نہ نکلا تو اپنے "خانی فتویٰ" میں اور "زورخانیت" دکھلاتے ہوئے اس فتوے میں باونؔ وجہوں کا اضافہ فرما کر ۱۵۲ وجہوں سے ان کو بالکل ہی کافر بلکہ ڈبل کافر گردان دیا ہے

تم ہوئے ہم ہوئے کہ میر ہوئے
اسکے فتووں کے سب اسیر ہوئے

ظفر علی خاں مرحوم ایڈیٹر "زمیندار" مشہور صحافی اور شاعر و مقرر تھے انہوں نے اعلحضرت کے ان قیمتی فتووں کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ فرما کر ایک قطعہ ارشاد فرمایا تھا جو تفریح طبع کے لیے ناظرین کی خدمت میں پیش ہے ملاحظہ ہو ہے

بریلی کے فتویٰ کا سستا ہے بھاؤ
جو بکتے ہیں کوڑی کے اب تین تین
خدا نے یہ کہہ کر انہیں ڈھیل دی
وَاُمْلِیْ لَھُمْ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ

آیت کا ترجمہ: (میں ان کو ڈھیل دے رہا ہوں۔ بے شک میرا داؤں بہت پکا ہے۔)

ہم نے اپنے اس رسالہ میں کہیں کہیں "اہل بدعت" کو "روافض کا چھوٹا بھائی لکھ دیا ہے۔ شاید بعض حضرات اس کو ہماری زیادتی پر محمول کریں ان کے اطمینان کے لیے ہم ان چھوٹے بھائیوں کی "تبرا بازی" اور حضرات صحابہ کی شان میں بدگوئی و گستاخی کی بھی ایک مثال پیش کرتے ہیں

ملاحظہ ہو ملفوظات اعلیٰحضرت حصہ دوم ص۶ جس میں اعلیٰحضرت نے ایک صحابی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (یعنی حضرت عبدالرحمٰن قاری رضی اللہ عنہ) کو کافر خوک (سور) اور "شیطان" جیسے سخت الفاظ کہے ہیں (نعوذ باللہ منہ) حالانکہ ایسی گستاخی تو شاید ان کے بڑے بھائیوں نے بھی نہ کی ہو گی۔

دیکھئے تقریب التہذیب ص۲۲۳ جہاں محدث شہیر حافظ حدیث علامہ ابن حجر عسقلانی حضرت عبدالرحمٰن قاری (ساکن بنو قارہ) کو صحابی بتا رہے ہیں۔ اس موقع پر یہ جواب دینا کہ بڑے حضرت نے عبدالرحمٰن فزاری کو کافر، خوک وغیرہ لکھا ہے مدعی سست اور گواہ چست کی بہترین مثال ہو گی کیونکہ بڑے حضرت نے اپنے تبرا کو پکا کرنے کیلئے یہ بات صاف کر دی ہے کہ وہ قرأت والے قاری نہیں ہیں بلکہ بنو قارہ کی نسبت سے قاری ہیں۔ اب صفائی پیش کیجئے ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

اب ناظرین کرام خود ہی غور فرما کر فیصلہ فرمائیں کہ جس "قلم کافر رقم" سے تمام مسلمانوں کو "کافر" لکھا جا سکتا ہو اور صحابہ کرام تک کے لیے کفر کے فتوے صادر ہو سکتے ہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی بلکہ فحاشی کی جا سکتی ہو (ملاحظہ ہو حدائق بخشش ص۳۷ ج۳) تو ایسے قلم سے "علمائے دیوبند" کی تکفیر کیا بعید ہے خصوصاً ایسی صورت میں کہ ان حضرات کے یہاں "بے ادبی" ہی کا سبق پڑھایا جاتا ہو اور اپنی گستاخی و بیباکی کا ذکر مزے لیکر

کیا جاتا ہو یقین نہ ہو تو " پاسبان مشتاق " کی زبانی سُنیئے :-

" مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ کی درس گاہ کا پُر کیف منظر نظروں کے سامنے آجاتا ہے ۔ اُستاد محترم مولانا محمد نظام الدین صاحب قبلہ اور (اُن کے اُستاد محترم) مجاہد ملت کے درمیان جب کسی اُلجھے ہوئے مسئلہ پر گفتگو ہوتی تو بسا اوقات دونوں طرف سے آستین اُٹھ جاتیں " (پاسبان مجدد نمبر ص۴۲)

" پاسبان نے آگے کا حال نہ لکھا کہ اس کے بعد کیا صورت پیش آتی تھی : کہیں ایسا تو نہیں کہ " جدال سعدی یا مدعی " کی طرح ؎

دم زدن بس ہونے لگتے دونوں پھر زیر و زبر

اور یہ سُن کر آپ کو اور بھی تعجب ہوگا کہ ایسا خود " استاد محترم " کی مجاہدانہ نصیحت کی بناء پر ہوتا تھا اس کے ثبوت کے لیے خون کے آنسو ص۱۱۶ کی مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو :-

" میرے استاد محترم مجاہد ملت بسا اوقات فرماتے ہیں کہ جو شاگرد اُستاد سے چوں و چرا نہ کرے اور جو مُرید اپنے پیر سے چوں و چرا کرے دونوں ناقص ہیں "

ایسی " سنہری " نصیحت کو سُن کر کون نالائق شاگرد ایسا ہوگا جو کہ زیادہ سے زیادہ اس پر عمل کرکے کامل بننے کی کوشش نہ کریگا ۔ یہی وجہ ہے کہ " درسگاہ " میں شاگرد و اُستاد دونوں ہی کی طرف سے آستین اُٹھ جاتی تھیں ۔

اگر ہمیں مکتب و ہمیں مُلّا
کارِ طفلاں تمام خواہد شُد

ترجمہ: ہوں اگر ایسے مکتب و مُلّا
(آپ لڑکوں کا کام سمجھیں تمام)

یہ زیرِ نظر کتاب ادھوری رہ جائے گی اگر اس میں اعلیٰحضرت کے ایک لائق و فائق فرزندِ معنوی جناب مُشتاق نظامی اور اُن کی " لال کتاب خُون کے آنسو " کا تعارف و تبصرہ شامل نہ کیا گیا۔

اس کتاب کو دیکھ کر جناب مشتاق کی مشاقی و پُرکاری کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ اور ان کی فاضلانہ کاوشوں کی داد نہ دینا بھی بے داد کا مترادف قرار پاتا ہے اس لیے ہم اپنے مبلغ علم کے مطابق اپنا خراج مصنف کی خدمت میں حاضر کرتے ہیں ورنہ اس کی قرار واقعی تحسین تو شاید اعلیٰحضرت ہی کی بارگاہِ علیا سے وصول ہو سکے بلکہ مجھ کو تو یہاں تک کہنے میں بھی کوئی تکلف نہیں کہ اگر " مدیر پاسبان " جناب مشتاق نے اپنے خلاف خود ہی فیصلہ نہ فرما دیا ہوتا تو یقیناً ان میں وہ صلاحیتیں تھیں کہ کم از کم شعبہ تصنیف و تالیف کا اُن کو ضرور " مجدد " قرار دیدیا جاتا لیکن کیا کیا جائے کہ انھوں نے خود اپنے ہاتھوں اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارتے ہوئے " پاسبان مجدد نمبر " کے شذرات میں یہ لکھ مارا۔

مجدد دین کی آخری کڑی میں جس کو نامزد کیا جا سکتا ہے وہ اعلیٰحضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کا نام نامی ہے۔
(پاسبان مجدد نمبر ۱۹۶۰ء)

ظاہر ہے کہ جب جناب مشتاق اپنے اعلیحضرت کو سلسلۂ مجددین کی آخری کڑی یا بالفاظ دیگر "قرب قیامت" کی نشانی قرار دے رہے ہیں ایسی صورت میں اگر خود جناب مشتاق کو "مجدد" کہہ دیا جائے پھر قیامت ہی ہو جائے ۔

اور کیوں نہ ہو جو شخص اپنے مریدوں سے اپنے لیے درود پڑھوا تے اور "خواب کے راستے" سرور عالم فخر بنی آدم صلے اللہ علیہ وسلم کی امامت کر کے بڑے فخر کے ساتھ "الحمدللہ" کہے اس کے پیرد اگر اس کو "خاتم النبیین" صاف طور پر نہ کہہ سکیں تو کیا خاتم المجددین بھی نہ کہیں ۔

الغرض "خون کے آنسو" ایسی رنگین و پُر کار کتاب ہے جس کا ترکی بہ ترکی جواب لکھنے کے لیے تو "مخصوص ماحول" اور مخصوص آب و ہوا میں نشو و نما پانے کی ضرورت ہے ۔ اس لیے ناظرین سے ہم اس قسم کی "رنگینی اور پُر کاری" کے لیے معذرت ہی چاہیں گے ۔ جس کے ذریعہ سے جناب مشتاق کی "لال کتاب" میں رنگ آیا ہے ۔ ہاں سیدھے سادے طور پر اس کی گل کاریوں کے کچھ نمونے ضرور پیش کریں گے ملاحظہ ہو :۔

فرماتے ہیں :

"میں نے اس امر کا اہتمام کیا ہے کہ "سُنی مکتبۂ فکر" کی کوئی کتاب حوالہ میں نہ پیش کی جائے اس لیے چار و ناچار مجھے "نئی راہ" اختیار کرنی پڑی ۔ میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ

انہیں کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات اُن کی
انہیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات اُنکی

(خون کے آنسو ص۵)

اب اس کو جناب مشتاق کی مشاقی دُہرکاری کہیے یا اُن کی معصومیت و سادگی قرار دے دیجئے کہ بے چارے ایسے بھولے بھالے بن گئے جن کو اپنے مطلب کی بات اور دوسرے کے مطلب کی بات میں فرق بھی محسوس نہ ہوا کہ ساری کتاب میں اپنے ہی مطلب کی ہانکی ہے مگر لوگوں پر اپنا رنگ جمانے کے لیے چپکے تو یوں کہہ دیا

"انہیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات اُن کی"

یقین نہ ہو تو "لال کتاب" کا ص۲ نکال کر مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ فرمائیے لکھتے ہیں :-

(۱) چنانچہ معتبر واقعہ یہی ہے کہ سید احمد اور مولوی اسمٰعیل دہلوی جب مقام پنج تار پہنچے تو وہاں کے رئیس فتح خاں نامی نے شروع میں ان لوگوں کی خاطر تواضع کی یہ لوگ چند دنوں وہاں رہے لیکن ان دونوں نے وہاں کے لوگوں پر ظلم وستم شروع کیا ان کو بدعقیدہ بدمذہب ٹھہرایا بات بڑھ گئی تو ان پٹھانوں نے ان کو وہیں ختم کر دیا یہ لوگ اپنے ظلم وستم کی وجہ سے پٹھانوں کے ہاتھ مارے گئے۔ (بغیر حوالہ)

"تاریخ نویسی" اور صحافتی ایمانداری اپنا سر پیٹ لیتی ہے جب یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ معتبر واقعہ بغیر کسی حوالہ کے حوالۂ قلم اور سپرد کتاب فرمایا گیا ہے۔

ایک دوسری مثال ملاحظہ ہو۔ جناب مشتاق اپنی "لال کتاب" میں ص۶۲ پر فرماتے ہیں :-

(۲) یہی وہ علل و اسباب ہیں جنہوں نے مرزا غالب کو مسئلہ "امکان و نظیر" اور "امتناع نظیر" پر قلم اٹھانے کے لیے مجبور کیا (کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں) مرزا اسد اللہ خاں غالب سے علامہ (مولوی فضل حق صاحب) کے بڑے گہرے تعلقات تھے۔ علامہ کا رجحان طبع دیکھ کر اسی موضوع پر ایک مثنوی لکھ ڈالی جو کلیات غالب میں مثنویات کے سلسلہ میں چھٹی مثنوی ہے۔ غالب نے ابتدائی پانچ شعروں میں اپنی قابلیت سے ایک حل نکالنے کی کوشش کی مگر پھر آخر میں حضرت علامہ کی رائے سے اتفاق کرنا پڑا ہے۔ (ص۶۳)

جناب مشتاق نے سطور بالا میں جو کچھ فرمایا ہے اُس میں دو باتیں خاص طور پر قابل غور ہیں۔ ایک تو یہ کہ مرزا غالب نے صرف علامہ کا رجحان طبع دیکھ کر ہی یہ مثنوی لکھ ڈالی اور دُوسری یہ کہ انہوں نے علامہ کی رائے سے اتفاق کیا۔

جناب مشتاق کی یہ تحریر کس درجہ حقیقت سے لگاؤ رکھتی ہے اس کے اندازہ کے لیے یادگار غالب سے بہتر کیا چیز ہو سکتی ہے تو سنیئے خواجہ حالیؔ "یادگار غالب" میں فرماتے ہیں کہ :-

" چونکہ مولانا (فضل حق صاحب) کو وہابیوں سے سخت مخالفت تھی انہوں نے مرزا پر نہایت اصرار کے ساتھ یہ فرمائش کی کہ فارسی میں وہابیوں

کے خلاف ایک مثنوی لکھ دو۔

مرزا نے اول عذر کیا مگر انہوں نے نہ مانا۔ لاچار مرزا نے ایک مثنوی لکھ کر مولانا کو سنائی۔ مگر جو کچھ مرزا نے مسئلہ نظیر خاتم النبیین کے باب میں کس قدر مولانا کی رائے کے خلاف لکھا تھا۔ اس پر مولانا سخت ناراض ہوئے۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ تم نے کیا بکا ہے کہ متعدد عالموں میں متعدد خاتم ہو سکتے ہیں؟ پس اس مضمون کو مثنوی سے بالکل نکال ڈالو اور جس طرح میں کہتا ہوں اس طرح بیان کرو۔ مرزا کو نہ وہابیوں سے خصومت (دشمنی) تھی اور نہ اُن کے مخالفوں سے کچھ تعلق تھا بلکہ صرف دوست کی رضاجوئی مقصود تھی۔ انہوں نے مولانا کے حکم کی فوراً تعمیل کی۔ مگر اس طرح کہ جو کچھ پہلے لکھ چکے تھے اس کو تو اسی طرح رہنے دیا۔ مگر اس کے آگے چند اشعار اور اضافہ کر کے کلام کو اسی طرح مربوط کر دیا۔

(آگے چند سطروں کے بعد) اُوپر کے بیان سے ناظرین کو معلوم ہوا ہوگا کہ مرزا کی طبیعت میں کس قدر سلامت روی تھی۔ بغیر اس کے کہ مرزا کو وہابیوں کی حمایت منظور ہو جو ٹھیک بات تھی وہ اُن کے قلم سے بے اختیار ٹپک پڑی۔ پھر اس کے بعد جو کچھ لکھا ہے وہ مولانا کے جبر سے لکھا ہے اس کو مرزا کے اصلی خیالات سے کچھ تعلق نہیں۔"

(یادگارِ غالب ص ۱۳۱، ۱۳۲ مختصراً)

یادگار غالب کا اقتباس اختصار کے باوجود کچھ طویل ہو گیا۔ مگر کیا کیا جائے بغیر اس کے جناب مشتاق کی قلمی امانت داری کی حقیقت سمجھ میں نہ آسکتی تھی۔

اب ناظرین اچھی طرح غور فرمالیں کہ مرزا غالب کی شاگرد خاص خواجہ حالی تو یہ فرماتے ہیں کہ یہ مثنوی مرزا غالب نے مولانا کے اصرار سے زبردستی لکھی از خود نہیں لکھی۔ یہی وجہ ہے کہ ابتداءً ان کی مرضی کے کسی قدر خلاف لکھی۔ پھر دوبارہ ان کی ضد پر محض ان کی دل جوئی کے لیے اسی میں چند اشعار کا اضافہ کر کے کسی طرح اس کو لیپ پوت کر دیا اور آخر میں جو کچھ لکھا ہے وہ مولانا کے جبر سے ہے۔ مرزا غالب کے اصلی سوالات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ مگر جناب مشتاق یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ گویا اس وقت مولانا شہیدؒ کی مخالفت بہت عام تھی جس کی بنا پر مرزا غالب جیسے غیر جانبدار شخص کو بھی ایسے مسائل پر قلم اٹھانے کے لیے مجبور ہونا پڑا۔

شاید ایسے ہی ایماندارانہ حوالوں کی بنا پر جناب مشتاق اپنی کتاب کو علمائے دیوبند کی سینکڑوں کتابوں کا خلاصہ اور نچوڑ کہتے ہیں اور جھوم جھوم کر یہ مصرعہ گاتے ہیں ؎

"انہیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زباں میری ہے بات اُن کی"

اب ہم ناظرین کو "لال کتاب" کا ایک اور مقام دکھانا چاہتے ہیں جہاں جناب مشتاق نے اپنی ترنگ میں آکر اپنی فاضلیت کا اظہار فرمایا

چاہا ہے ملاحظہ ہو خون کے آنسو (ص۳۰)

(۳) ایک بار مولوی یونس صاحب خالدی نے مجھ سے دریافت کیا کہ بحیثیت مسلم گفتگو کریں گے یا بحیثیت غیر مسلم؛ چنانچہ اُن کے اس ایک جملہ پر میں نے حسب ذیل چند سوالات کئے :۔

(۱) اسلام اور ایمان کا فرق۔

(۲) ایمان کے بسیط و مرکب ہونے میں محدثین کے اختلافات کی وضاحت اور قولِ راجح کی تعین۔

(۳) نحوی اصول سے غیر کے وجوہ اعراب۔

(۴) منطقی بنیاد پر حیثیت کے جملہ اقسام مع امثلہ۔

(۵) الف۔ اسلام و ایمان دو مفہوم کلی ہیں یا جزی؛ اگر جزئی ہیں

ب۔ تو نسبت اربعہ (تساوی، تبائن، عام خاص مطلق عام خاص من وجہ) میں کونسی نسبت ہے؟

اور اگر دو مفہوم جزئی ہیں۔

ج۔ تو جزئی حقیقی ہیں یا اضافی۔

د۔ اور جزئی حقیقی و اضافی کا مقسم کیا ہے؟

غرضیکہ اس جملہ کے ہر ہر ٹکڑے پر میں نے سوالات قائم کئے اور آخر میں یہ بھی لکھ دیا کہ جواب دے کر دو سو روپے کا نقد انعام لیجئے۔

یہ ہیں وہ سوالات ہشت گاہ جو فاضل یگانہ نے مولوی یونس خالدی کے ایک غیر متوقع سوال کی گھبراہٹ میں بغیر کچھ سوچے سمجھے بے ساختہ کر ڈالے۔

حالانکہ مولوی یونس خالدی کے سوال سے گھبراہٹ کی کوئی وجہ بظاہر نہ تھی ۔ اس کا جواب آسان تھا کہ ان کی دریا ... ئ دو شکلوں میں سے کسی ایک شکل کی تعیین کر دیتے یا اگر کچھ تعرض ہی منظور تھی تو یہ دریافت کر لیتے کہ سائل و مجیب ہر دو میں سے کس کی بات مسلّم یا غیر مسلّم ہونے کی تعیین درکار ہے؛ لیکن ایسا اُسی وقت ہو سکتا تھا جب ان کو کسی نتیجہ تک پہنچنا مقصود بھی ہوتا۔ مگر وہاں تو بات کو اُلجھانا ہی مقصود تھا اس لیے آپ نے اپنی فاضلیت کی نمائش اسی میں سمجھی کہ سیدھے سادے سوال کا جواب دینے کے بجائے آئیں بائیں شائیں کر کے اُلٹے سیدھے سوالات کر ڈالیں اور کسی طرح ان کی جان بچے۔

چنانچہ اب ہم ان کے مرعوب کن سوالات کا ایک سرسری جائزہ لے کر صرف ان کی حقیقت ظاہر کئے دیتے ہیں تو سنئے!

(۱) خالدی صاحب نے اپنے جملہ میں صرف "مسلم" کا لفظ کہا تھا اس لیے فاضل مُشتاق کو زیادہ سے زیادہ اسلام کے معنی دریافت کرنے کا حق تھا لہٰذا اسلام کے ساتھ ایمان کی بحث چھیڑ دینا صاف طور پر غلط مبحث ہے۔

(۲) جب اصولاً یہاں سرے سے ایمان کا اضافہ غلط ہے تو اس کے بسیط و مرکب کی بحث نکال اگر جہل مرکب نہیں ہے تو جہل بسیط ہے جس کو یہاں غلطی پر غلطی اور دھاندلی پر دھاندلی کہنا چاہیئے۔

(۳) یہ مناظرہ تو غالباً اردو ہی میں ہو گا۔ ایسی صورت میں غیر مسلم

کے لفظ غیر کے وجوہ اعراب کی بحث بالکل بے تکی ہے اور اگر اُردُو مناظرہ میں بھی غیر مسلم کا لفظ بولنے پر "غیر" کے وجوہ اعراب کا سوال ہو سکتا ہے تو ظاہر ہے کہ دُوسرا بھی اس قسم کا حق رکھتا ہے کہ آپ سے دریافت کرے ذرا اپنے "اعلیٰحضرت" کے نام نامی کے متعلق نحوی اصُول کے مطابق ارشاد ہو کہ یہ نام نامی :-

(الف) مفرد ہے یا مرکب ؟ اور مفرد ہونے کی صورت میں :-

(ب) مہمل ہے یا موضوع ؟ پھر مرکب ہونے کی شکل میں :-

(ج) مرکب تام ہے یا ناقص ؟ اگر تام ہے تو :-

(د) جملہ خبریہ ہے یا انشائیہ :-

(ہ) خبریہ ہے تو کونسی قسم ہے :-

(و) انشائیہ ہے تو کونسی قسم ہے ؟ اگر مرکب ناقص ہے تو :-

(ز) اضافی ہے یا :-

(ح) توصیفی ؟ یا :-

(ط) مرکب بنائی ؟ یا :-

(ی) مرکب منع صرف ؟ نیز یہ کہ "احمد" اسم تفضیل ہے یا مضارع واحد متکلم ؟ اور بہر صورت اس کا اعراب کیا ہے۔

(۴) پانچویں سوال میں پھر علامہ نے اسلام کے ساتھ ایمان کا اضافہ کیا ہے جو غلط بحث ہے۔

(۵) نمبر ۵ کے (ب) میں علامہ نے "نسبت اربعہ" کا لفظ ارشاد فرمایا ہے

جس کا غلط ہونا ایک نحو میر پڑھنے والا بھی بتا سکتا ہے۔ صحیح نسب اربعہ (صیغہ جمع کے ساتھ) ہے "نسبت" (واحد) اور اربعہ (جمع) کی ترکیب توصیفی غلط ہے۔

(٦) نسبت اربعہ (نسب اربعہ) کی تفصیل میں دو نسبتوں کے نام علامہ نے "عام و خاص مطلق" اور "عام و خاص من وجہ" ذکر فرمائے ہیں مگر یہ دونوں نام غلط ہیں کیونکہ "نسبت" پر عام و خاص (صیغۂ صفت) کا حمل صحیح نہیں ہے۔ قاعدہ سے عموم و خصوص مطلق" اور عموم و خصوص من وجہ" کہنا چاہیئے جیسا کہ کتب منطق میں آتا ہے۔

اگر علامہ کو گرانی نہ ہو تو ہم ان سے اس غلط تعبیر اور ناجائز حمل کا ثبوت کسی منطق کی کتاب سے دریافت کر لیں؟ ہم کو تو جہاں تک علم ہے علامہ نے جو تعبیر اختیار کی ہے اس کا حمل ناجائز ہی ہے۔

یہ ہیں علامہ کے آٹھ مرعوب کن سوالات میں صرف نعمت درحزن (۱۲عدد) فاحش غلطیاں اور اگر علامہ کی طرح اُن سے بھی اُن کے سوالات پر سوالات کئے جائیں تو ان کی گنجائش ابھی باقی ہے۔

"خون کے آنسو" کی رنگینی و پُرکاری کا اندازہ مندرجہ بالا سطور سے بہت کچھ ہو گیا ہوگا اب ہم اس کا ایک اور اقتباس زیر بحث لاکر اس سلسلہ کو ختم کرنا چاہتے ہیں فرماتے ہیں:-

(۴) "سید صاحب" کے پاس مجاہدین جمع ہونے لگے تو سید صاحب نے مولانا اسمٰعیل کے مشورے سے شیخ غلام رئیس الہ آباد کی معرفت

لفٹنٹ گورنر ممالک مغربی بنگال کی خدمت میں اطلاع دی کہ ہم لوگ سکھوں پر جہاد کرنے کی تیاری کرنے کو ہیں۔ سرکار کو تو اس میں کچھ اعتراض نہیں ہے؟ لفٹنٹ گورنر صاحب نے صاف لکھ دیا کہ ہماری عملداری میں اور امن میں خلل نہ پڑے تو ہمیں کچھ سروکار نہیں۔"

(خون کے آنسو)

جناب مشتاق نے حیات طیبہ صـ۳۰۲ سے مندرجہ بالا اقتباس نقل کرکے یہ تبصرہ فرمایا ہے کہ :۔

اس مقام پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اسماعیلی جہاد قرآن وحدیث کی روشنی یا اسلامی تقاضے کی بنیاد پر نہ تھا بلکہ انگریز بہادر کے ایماد واشارہ اور ان کی اجازت پر موقوف تھا۔

(خون کے آنسو صـ۳۳)

"مدعی سست اور گواہ چست" کی مثالیں اگر آپ کو دیکھنا ہوں تو "خون کے آنسو" کا پہلا باب "علمائے دیوبند کی انگریز دوستی" پڑھ ڈالیئے۔ اللہ چاہے گا تو اس باب میں اس کی جتنی مثالیں آپ چاہیں گے آپ کو مل جائیں گی اور اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ انہوں نے اسی مقصد سے وہ مثالیں جمع فرمادی ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے بحث تو چھیڑی ہے تاریخی مگر اس میں آپ کا "مبلغ علم" "تواریخ عجیبہ" "حیات طیبہ" اور "تذکرۃ الرشید وغیرہ کے بعض حوالوں سے آگے نہیں بڑھا ہے پھر ان کتابوں میں بھی آپ نے

وہی عبارت قابلِ نقل سمجھی جس میں آپ کو اپنا مطلب نکلتا ہوا دکھائی دیا۔
چنانچہ تذکرۃ الرشید صـ۳۸ اور صـ۹ کے حوالے سے جو عبارتیں آپ نے صـ۲۱ اور صـ۹۱ پر نقل کی ہیں ان کے بارے میں ہم صاف ریر چیلنج کرتے ہیں کہ کوئی صاحب یہ ثابت کر دیں کہ وہ عبارتیں مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کی ہیں تو ہم اُن کو جو انعام وہ چاہیں گے دے دیں گے۔

اسی طور پر جناب مشتاق کا یہ اقتباس (جو حیات طیبہ صـ۲۰۲ سے نقل ہوا) ان کی یک نظری پالیسی کا آئینہ دار ہے کہ انہوں نے اپنی مطلب براری کے لیے یہ ٹکڑا تو اپنی "لال کتاب" میں داخل کر لیا مگر سیرت "سید احمد شہید" کے یہ اقتباسات وہ داخل نہ کر سکے (حالانکہ یہ کتاب بھی غالباً ان کے پیش نظر تھی) ملاحظہ ہوں سیرت احمد شہید کے وہ اقتباسات :-

(۱) کیپٹن کننگھم "تاریخ سکھ" میں لکھتا ہے :-

"سید احمد (شہید) کے عمل سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کافروں سے ان کی مراد صرف سکھ تھی۔ لیکن ان کے صحیح مقاصد پورے طور پر نہیں سمجھے گئے وہ انگریزوں پر حملہ کرنے میں ضرور محتاط تھے لیکن ایک وسیع اور آباد ملک پر دور دراز کی قوم کا اقتدار ان کی مخالفت کے لیے کافی سبب تھا۔"

(سیرت سید احمد شہید صـ۲۵۳ طبع اوّل)

(۲) ہنٹر لکھتا ہے کہ" مجاہدین کی ضرب سکھوں کے دیہاتوں پر شدید نہ تھی لیکن وہ انگریز کافروں پر ضرب لگانے کے ہر موقع کا بڑی خوشی سے خیر مقدم کرتے تھے۔ انہوں نے کابل کی جنگ میں ہمارے دشمنوں کو رد کرنے کے لیے ایک بڑی قوت بھیجی۔

پنجاب کے الحاق کے بعد جو غصہ پہلے سکھوں پر اُترتا تھا اب اِن کے جانشینوں (انگریزوں) پر اُترنے لگا (سیرت سید احمد شہید ص۳۲۶)

کیپٹن کننگم اور ہنٹر کے مذکورہ بالا بیانات سے جہاں یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ حضرت سید احمد شہید علیہ الرحمۃ کا رخ پہلے صرف سکھوں کی طرف تھا وہاں یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ ایسا صرف مصلحت کی بناء پر تھا ان کی نظر اس پر تھی کہ انگریز چونکہ طاقتور دشمن ہے اس لیے اس کے مقابلہ کی پوری تیاری جب تک نہ ہو جائے اس کو اپنا مخالف اور دشمن نہ بنایا جائے۔

انہوں نے ابتدا سکھوں سے اسی لیے مقابلہ کیا کہ ان سے مقابلہ کر کے اگر ان پر فتح نصیب ہو جاتی ہے تو اپنی طاقت بڑھ جائے گی۔ اس کے بعد انگریزوں سے بھی مقابلہ آسان ہو جائے گا اور کون کہہ سکتا ہے کہ ان کی یہ مصلحت بینی اور دور اندیشی غلط تھی۔ اگر سرحد میں چند غداروں نے (سکھوں سے عین جنگ کے موقع پر) مجاہدین اسلام کے ساتھ کھلی ہوئی غداری کر کے جیتی ہوئی جنگ کو شکست سے نہ بدل دیا ہوتا تو ہندوستان کو اب سے مدتوں پہلے آزادی مل چکی ہوتی۔

ملاحظہ ہوں ایک انگریز مؤرخ ڈاکٹر اسٹارڈ کے یہ الفاظ :-

" شمالی ہند میں ایک وہابی جانباز (حضرت شہید) سیّد احمد نے پنجابی مُسلمانوں کو اُبھار کر حقیقتاً ایک مذہبی سلطنت قائم کرلی مگر ان کی ناگہانی موت سے شمالی ہند میں وہابی فتوحات کا امکان جاتا رہا اس سلطنت کو سکھوں نے ۱۸۳۰ء میں برباد کیا لیکن جب انگریزوں نے اِس مُلک (ہندوستان) کو فتح کیا تب وہابی عقائد کی سُلگتی ہوئی چنگاریوں نے بہت کچھ پریشان کیا۔ یہ خیالات عرصہ تک باقی رہے اور اسباب غدر میں مُمد (معاون) ہوئے اور انہیں عقائد نے افغانستان اور شمال مغربی سرحد کے وحشی قبائل کو ہمیشہ کے لیے مذہبی تعصب میں رنگ دیا۔"

(منقول از سیرت سید احمد شہید ص۱۹ طبع اوّل)

ڈاکٹر اسٹارڈ کے اس بیان سے یہ چند در چند حقیقتیں سامنے آتی ہیں :-

(۱) سب سے پہلی اور نمایاں بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ "اہل حق" کے لیے " وہابی " کا لفظ سب سے پہلے انگریزوں نے ہی (ان کو بدنام کرنے اور ان کی تحریک جہاد کو ناکام کرنے کے لیے) استعمال کیا۔ اور اپنی تحریر و تقریر کے ذریعے اس کو رواج دیدیا۔ اس حقیقت کے معلوم ہو جانے کے بعد ان " بندروں " کی نقل کرنے والوں کی بینجری اور سادگی پر جس قدر بھی افسوس کیا جائے وہ کم ہے۔ افسوس کہ آج تقریباً ۹۰ یا ۹۹ فیصدی مسلمان اس لفظ " وہابی " کو اہل حق کے لیے استعمال کرتے ہیں اور ان کو مطلق اس کی خبر نہیں کہ وہ اس

معاملہ میں ان دشمنانِ دین و اسلام (انگریزوں) کی ہی نقل اور پیروی کر رہے ہیں بلکہ کہنا پڑتا ہے کہ اس نقل میں تو وہ اصلی بندروں سے بھی بڑھ گئے۔

(۲) دوسری بات یہ منکشف ہوئی کہ ان "جانباز وہابی" یعنی حضرت احمد شہیدؒ کا مقصد جہادِ اسلامی کے ذریعہ مذہبی سلطنت کا قیام تھا۔ فاضل مشتاق نے "خون کے آنسو" میں جس کا رونا رویا ہے وہ اُنکی کوتاہ نظری اور حقائق تاریخ سے چشم پوشی کا نتیجہ ہے۔

(۳) تیسری بات یہ ظاہر ہوئی کہ جانباز "وہابی" (حضرت شہیدؒ) نے درحقیقت وہ مذہبی سلطنت قائم بھی کر لی تھی مگر ان کی ناگہانی شہادت سے وہ سلسلہ ختم ہوگیا۔

(۴) چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ حضرت شہیدؒ اور ان کی مذہبی سلطنت کو ۱۸۳۱ء میں سکھوں نے ختم کیا۔ اور برباد کیا لہٰذا "خون کے آنسو" ص ۳۲ پر بغیر حوالہ جو معتبر واقعہ نقل کیا گیا ہے (جس کو ہم اوپر نقل بھی کر آئے ہیں) اس کو ایسی تاریخی شہادت کی روشنی میں "معتبر نائی" کی ہی روایت کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔

(۵) پانچویں بات یہ واضح ہوئی کہ حضرت شہیدؒ کے جو ساتھی بچ رہے تھے انہوں نے بھی انگریزوں کو بہت کچھ پریشان کیا اور پھر انہیں لوگوں نے ۱۸۵۷ء کے انقلاب غدر کے اسباب میں بھی انگریزوں کے خلاف مدد پہنچائی۔ لہٰذا ایسے لوگوں پر انگریز دوستی کا الزام وہی رکھ سکتا ہے جس نے

حقائق کو دیکھنے کی قسم ہی کمالی ہو یا اُس کی آنکھوں پر بغض و دُشمنی کی پٹی چڑھی ہوئی ہو۔

یہاں تک " خون کے آنسو " کے صرف چار حوالے زیر بحث آسکے ان کے علاوہ بعض اور دُوسرے مقامات پر بھی اشنائے کتاب میں تبصرہ ہو چکا ہے۔ اُن سے ہی ناظرین کرام اندازہ فرمالیں گے کہ یہ کتاب " خون کے آنسو " دراصل مغالطات " اور خرافات کا ایک پشتارہ ہے اور یقیناً وہ اسی قابل ہے کہ اس پر آج ہم سب خون کے آنسو روئیں کہ وقت کی نزاکت کا ادنےٰ احساس کیے بغیر اس میں وہی پُرانے گڑے مُردے اکھیڑنے کی اور ناحق طور پر اہلِ حق کو بدنام کرنے کی ایک بدترین کوشش کی گئی ہے۔

اسی لیے ہم آخر میں پھر وہی بات دہراتے ہیں کہ یہ وقت ان بحثوں کا نہیں ہے خدارا قوم مسلم پر رحم کیجیۓ ان صلاحیتوں کو قومی و ملی اصلاحی و تعمیری کاموں میں صرف کیجئے اور اگر آپ اپنے آپ کو اس کا اہل نہ پائیں یا آپ کے " مشاغل خاص " میں ایسے کاموں کے لیے گنجائش نہ نکل سکے تو کم ازکم دوسروں ہی کو کام کرنے دیجیۓ اور آپ شوق سے ہر مہینہ کسی کا میلاد اور کسی کا فاتحہ و عرس پورے ذوق کے ساتھ کرتے رہئے ہم ہرگز آپ کے تر لقمے آپ سے نہ چھینیں گے۔

خاتمہ کتاب

منظور ہے گذارشِ احوالِ واقعی
مقصود اس سے قطعِ محبت نہیں مجھے

غالب کے یہ دو مختلف مصرعے یہاں از راہِ شاعری نہیں نقل کئے گئے بلکہ واقعہ بھی یہی ہے کہ اپنا مقصد قطعِ محبت ہرگز نہیں ہے۔ اسی بنا پر ہم آخر میں "اعلیحضرت" کا وہ تاکیدی فتوےٰ بھی نقل کرتے ہیں جو انہوں نے علمائے حق کو کافر کہنے سے روکنے کے لیے اپنے مخصوص انداز میں صادر فرمایا تھا ملاحظہ ہو:۔

وہ فتوےٰ یہ ہے:

علمائے محتاطین انہیں کافر نہ کہیں یہی صواب ہے" وھو الجواب وبہ یفتیٰ علیہ الفتویٰ وھو المذھب وعلیہ الاعتماد وفیہ السلامۃ وفیہ السداد"

(تمہید ایمان ص۴۲)

"یعنی احتیاط والے علماء ان کو کافر نہ کہیں یہی درست ہے اور یہی جواب ہے اور اسی پر فتوےٰ دیا جاتا ہے اور اسی پر فتوےٰ ہے اور یہی اپنا مذہب ہے اور اسی پر اعتماد ہے اور اسی میں درستی وسلامتی ہے۔"

اہل انصاف اعلیحضرت کے اس فتوے کو ملاحظہ فرمائیں اور آجکل

ئے علماء بریلی کی روش دیکھیں جو فتوی کفر" میں اس قدر بے باک ہیں کہ وہ یوں فتوے صادر فرماتے ہیں کہ:

"جو شخص خواہ وہ کوئی مولوی ہو یا پیر و صوفی کسے باشد ان عقائد کفریہ سے علم شرعی رکھنے کے باوجود ان پانچوں (مولانا محمد قاسم صاحب، مولانا رشید احمد صاحب، مولانا خلیل احمد صاحب، مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی، مولانا اشرف علی صاحب تھانوی علیہم الرحمہ) کو مسلمان سمجھے یا ان کے کفر قطعی میں شک بھی کرے وہ بھی بحکم شریعت مطہرہ قطعاً یقیناً کافر و مرتد ہے۔ ایسوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، ان کا وعظ سننا، ان کو سلام کرنا، ان کی عیادت کرنا، ان کی نماز جنازہ پڑھنا، ان کے پیچھے نماز پڑھنا، ان سے نکاح پڑھوانا سب حرام قطعاً حرام ہے۔ یوں ہی ان کو اپنا پیر بنانا، ان کے ہاتھ پر بیعت ہونا، ان سے محبت و مودت رکھنا بھی شرعاً قطعاً ناجائز اور یقیناً اشد حرام ہے"!

(علمائے دین کا متفقہ فتوے بعیہ" شائع کردہ بزم قادری رضوی کانپور)

ناظرین ذرا اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر غور فرمائیں کہ کتنے مسلمان ایسے ہونگے جن کو ان علماء حضرات کے کفر کا یقین نہ ہوگا اور وہ اس بے لاگ فتویٰ کی رُو سے کافروں کی زد میں زبردستی دھکیل دیئے گئے ہیں۔ ؎

قریب یار دبے محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چُپ رہیگی زبانِ خنجر لہو پکاریگا آستیں کا

آخر میں یہ توضیح بھی نکمہ ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اگر ہم ان بریلوی حضرات کو "راہ حق" اور "تبلیغ دین" میں رکاوٹ نہ سمجھتے تو ہرگز ان کی کتابوں اور تقریروں کو قابل توجہ اور لائق خطاب وجواب نہ خیال کرتے۔ مگر ہم آج کل یہ دیکھ رہے ہیں کہ ان کے رستے ہوئے "ناسور" اور بلبلاتے ہوئے "جراثیم" کھلم کھلا اشاعتِ حق اور تبلیغ دین میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ تبلیغی جماعت کا اعلانیہ بائیکاٹ کیا جاتا ہے اور لوگوں کو کلمہ ونماز پڑھنے سے باز رکھا جاتا ہے۔

ایسی صورت میں ہم کو بھی یہ اپنا فرض منصبی محسوس ہوا کہ اظہار حقیقت اور اعلانِ حق کے تحت ایک مختصر رسالہ لکھ دیں۔ مقصود اس سے یہی ہے کہ عام مسلمانوں کو اصل صورتِ حال معلوم ہو جائے اور کسی کو یہ کہنے کا موقعہ نہ رہے کہ ہم تو اب تک غلط فہمی میں ہی رہے۔ لوگوں نے ہم کو کتابوں کی ادھوری اور ناتمام عبارتیں دکھلا کر دھوکے ہی میں رکھا اور بالکل بے وجہ سراسر بے جرم وبے قصور "علمائے دیوبند" کو خود بھی کافر کہا اور ہم سے بھی کافر کہلوایا۔

بس صرف یہ ایک مقصد ہے جس کی وجہ سے ہم نے اس موضوع پر قلم اٹھانے کی ضرورت محسوس کی ورنہ وقت کی پکار پر ہمارے کان لگے ہوئے ہیں اور وقت کے تقاضوں سے ہمارا دل قطعاً غافل نہیں ہے۔

کیا اچھا ہو کہ ہمارے دل کی یہ آواز دُوسروں کے دلوں تک پہنچ جائے اور وہ اس کا کوئی جواب دینے کے بجائے اس پر ٹھنڈے دل سے غور فرما کر ملّتِ مُسلمہ پر رحم فرمائیں اور باہمی نفاق و تفریق سے قوم مسلم کو دوچار نہ ہونے دیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اپنی جگہ پر خود یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ اگر کسی صاحب نے اس کی جواب دہی فرمائی تو ہم ناظرین کو اس کا جواب الجواب دیکھنے کی زحمت نہ دیں گے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وصلی اللہ
تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی
آلہٖ واصحابہ اجمعین الیٰ یوم الدین ؁

مشتاق احمد

عمدہ اور خوبصورت دینی کتابیں

			قیمت
خدمتِ شریعت کے چھ رخ	تذکرہ مصنفہ حکیم الامت تھانویؒ	مجلد	۳۰/-
حصہ ۵ (انگریزی)	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ	کارڈ بورڈ	۱۵/-
اسلام میں مشورہ کی اہمیت	〃 〃 〃	〃	۹/-
حب النبی صلی اللہ علیہ وسلم	〃 〃 〃	〃	۶/-
اسلام کے بنیادی عقائد	علامہ شبیر احمد عثمانیؒ	〃	۶/-
اعجاز القرآن	〃 〃 〃	〃	۶/-
مجموعہ رسائل ثلاثہ	〃 〃 〃	〃	۶/-
العقل والنقل	〃 〃 〃	〃	۶/-
سال بھر کے مسنون اعمال	مولانا اشرف علی تھانویؒ	〃	۴/۵۰
مکتوبات امدادیہ	〃 〃 〃	〃	۴/۵۰
حیاتِ خضر علیہ السلام	مولانا سید میاں اصغر حسینؒ	〃	۶/-
اذان اور اقامت	〃 〃 〃	〃	۲/۲۵
دستِ غیب	〃 〃 〃	〃	۶/-
سلاسل طیبہ	حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ	〃	۴/۵۰
لطائف گنگوہیؒ	مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	〃	۶/-
فتاویٰ میلاد شریف	〃 〃 〃	〃	۶/-
بریلوی فتنہ کا نیا روپ	"زلزلہ" کا جواب	〃	۱۵/-
مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ	مولانا مناظر احسن گیلانیؒ	〃	۶/-
ختم نبوت	مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ	〃	۶/-

ادارہ اسلامیات ۔۔ ۱۹۰ انارکلی لاہور

عمدہ اور خوب صورت دینی کتابیں

			قیمت
فتوح الغیب اردو	شیخ عبدالقادر جیلانیؒ	کارڈ بورڈ	۹/-
آفتاب نبوت	مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ	مجلد	۲۴/-
شہید کربلا اور یزید	" " "	کارڈ بورڈ	۱۲/-
کلمہ طیبہ مع کلمات طیبات	" " "	"	۹/-
علم غیب	" " "	"	۹/-
حدیث رسولؐ کا قرآنی معیار	" " "	"	۶/-
اصول دعوت اسلام	" " "	"	۶/-
فلسفۂ نماز	" " "	"	۶/۷۵
شرعی پردہ	" " "	"	۶/-
انسانیت کا امتیاز	" " "	"	۶/-
خاتم النبیینؐ	" " "	"	۶/-
شان رسالتؐ	" " "	"	۶/-
نماز اور اس کے مسائل	مولانا محمد محترم فہیمؒ	"	۶/-
نخبۃ الفکر (اردو)	علامہ ابن حجر عسقلانی	"	۱۰/۵۰
حیات شیخ الہندؒ	مولانا سید اصغر حسینؒ	مجلد اعلیٰ	۳۰/-
فضائل استغفار	حضرت تھانویؒ	—	۱/۸۰
شب برات	حضرت مفتی محمد شفیعؒ	—	۱/-
اسلامی آداب	مولانا عاشق الٰہی بلند شہری	—	۱/۸۰
حیات عیسیٰ علیہ السلام	مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ	مجلد	۶/-

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

مستند دینی کتابیں

(۱)	الاتقان فی علوم القرآن	علامہ جلال الدین سیوطیؒ	۱۲۰/-
(۲)	سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم	حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ	۱۲۰/-
(۳)	اصلاح المسلمین	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	۶۸/-
(۴)	حیوۃ المسلمین		۳۶/-
(۵)	سیرت پاک	مولانا محمد اسلم قاسمی صاحب	۴۱.۰
(۶)	انتخاب بخاری شریف (اردو)	حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ	۹۰.۰
(۷)	اکابر علماء دیوبند	مولانا اکبر شاہ بخاری	۳۳/۰
(۸)	اسلام کا اقتصادی نظام	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ	۳۳.۰
(۹)	اسلامی تہذیب وتمدن	حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ	۳۳.۰
(۱۰)	اکمال الشیم ([illegible])	حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ	۳۰.۰
(۱۱)	آفتاب نبوت	حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ	۲۲
(۱۲)	العلم والعلماء	علامہ ابن عبد البرؒ	۳۳.۰
(۱۳)	حیات شیخ الہندؒ	حضرت مولانا سید اصغر حسینؒ	۲۰.۰
(۱۴)	شریعت و طریقت	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	۳۶.۰
(۱۵)	تعبیر الرؤیا (اردو کلاں)	علامہ ابن سیرینؒ	۴۹/۰۰
(۱۶)	مکتوبات نبوی	مولانا سید محبوب رضوی	۲۰.۰
(۱۷)	مسلمانوں کا عروج وزوال	مولانا احمد سعید اکبرآبادی	[illegible]
(۱۸)	بدعت کیا ہے؟	چار حضرات کا مجموعہ	۰۴.۰
(۱۹)	تصوف کیا ہے؟	مولانا محمد منظور نعمانی	۹
(۲۰)	اصول تصوف	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	۹.۰
(۲۱)	کیفیات (مجموعہ کلام)	مولانا ذکی کیفیؒ	۴۵.۰

ملنے کا پتہ

ادارہ اسلامیات

۱۹۰۔ انارکلی ۔ لاہور